ہفت روزہ
# ندائے خلافت
لاہور
۷ / مارچ ۱۹۹۵ء

☆ لاہور میں مرکزی دورۂ ترجمۂ قرآن کے سامعین کے تأثرات

☆ فری میسن تحریک ---- دو چار برس کی بات نہیں

☆ مخصوص علاقے "را" کی نظروں میں کیوں نہیں آتے؟

حدیثِ امروز

## ڈاکٹر مبشر حسن کا مشن

ڈاکٹر مبشر حسن کی قیادت میں پاکستان سے دانشوروں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے باشعور شہریوں کا جو ایک بہت بڑا غیر سرکاری وفد ان دنوں بھارت یاترا پر گیا ہوا ہے وہ ان سطور کی اشاعت تک واپس آ کر دلی میں ہونے والے سیمینار کے نتائج پر روشنی ڈال چکا ہو گا۔ وفد کے شرکاء میں سے جن کی تعداد غالباً ایک سو سے بھی اوپر ہے' مبشر حسن صاحب کے علاوہ صرف آئی اے رحمان کا نام سامنے آیا ہے لہٰذا نہیں کہا جا سکتا کہ ان دانشوروں میں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے حضرات و خواتین کا تناسب کیا ہے تاہم اندازہ ہے کہ اکثریت انہی پر مشتمل ہو گی۔ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ بھارتی دانشوروں کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور کچھ ایسی تجاویز مرتب کرنے کی کوشش کریں گے جو بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کو اپنے اختلافات باہمی افہام و تفہیم کے ذریعے حل کرنے کی راہ پر ڈال سکیں اور اصل تنازع چونکہ مسئلہ کشمیر ہے لہٰذا زیادہ زور اسی سلسلے میں کسی ایسے منصوبے کے خطوط متعین کرنے پر ہو گا جو قابل عمل ہو اور دونوں ملکوں کی حکومتیں جیسے نسبتاً آسانی سے اپنے عوام کے لئے قابل قبول بھی بنا سکیں۔

ڈاکٹر مبشر حسن اپنے ایک اخباری بیان میں یہ صراحت کر کے گئے ہیں کہ ان کے وفد کے شرکاء یہ سفر اپنے خرچ پر کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ دلی کا سیمینار کسی بھی حکومت کی سرپرستی کے بغیر دونوں طرف کے بالغ نظر شہریوں کی نجی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ان کا مستقل موقف یہ ہے کہ ان ہمسایہ ملکوں کے عوام نے جو ایک طویل مشترک پس منظر رکھتے ہیں' اب تک اپنا مستقبل سیاستدانوں کی مہم جوئی اور ان کی حکومتی مصلحتوں کے حوالے کر کے خطرے میں ڈالے رکھا اور یہ خطرہ چونکہ ٹلنے کا نام نہیں لے رہا بلکہ مسلسل بڑھ رہا ہے لہٰذا انہیں خود آگے آ کر معاملات اپنے ہاتھوں میں لینے ہوں گے۔ قبل ازیں وہ محدود پیمانے پر یہ تحریک اپنے طور پر چلاتے رہے ہیں جس کے نتیجے میں بھارت کے بعض باضمیر دانشور اور صحافی ان کی ہمنوائی پر آمادہ ہوئے اور یوں بات انفرادی تبادلہ خیال سے نکل کر جرگے پنچایت تک تو آ ہی پہنچی ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کوشش اپنا ہدف حاصل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہو گی تاہم جناب مبشر حسن کے خلوص اور وطن دوستی کے جذبات کی صداقت پر کم از کم ہمیں تو شبہ نہیں۔ ان کے مشن کی کامیابی کے لئے ان سب لوگوں کے دلوں سے دعا ضرور نکلے گی جنہیں واقف حال حلقوں سے یہ اطلاعات ملی ہیں کہ ماضی قریب میں کشمیر کے قضیہ کے سلسلے میں دونوں حکومتوں میں کئی بار کسی ایک یا دوسرے حل کی طرف پیش قدمی پر اتفاق رائے پیدا ہوتا رہا ہے جس کے بارے میں اندر خانے دونوں طرف سے یکساں گرمجوشی کا اظہار بھی ہوا لیکن پھر اچانک کوئی ایک حکومت --- کبھی بھارتی' کبھی پاکستانی --- اپنے ہاں کی اپوزیشن یا ناموافق عوامی ردعمل سے خائف ہو کر سرد مہری پر اتر آئی اور پرنالہ پھر وہیں گرنے لگتا جہاں ۴۵ برس سے گرتا چلا آ رہا ہے۔ ایسا جنرل ضیاء الحق مرحوم کے عہد حکومت میں بھی ہوا' نواز شریف صاحب کے دور میں بھی اور بے نظیر بھٹو کی پہلی وزارت عظمیٰ میں بھی۔

اس امر پر تو اختلاف رائے کی گنجائش ہی نہیں کہ کشمیر کے مسئلہ کا ایک قابل قبول حل ہی وہ کلید ہے جس سے وہ قفل کھل سکتا ہے جو انگریز جاتے جاتے دو ہمسایہ ملکوں کے خوشگوار باہمی تعلقات کے شہ درے پر ڈال گیا تھا البتہ مسئلے کے حل کے

(باقی صفحہ ۴ پر)

قیمت: ۶ روپے

# الھدیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ البقرۃ

(آیت ۲۲۰-۲۲۱)

دنیا اور آخرت کے معاملات میں۔ اور (اے نبی) آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں (تو) کہہ دیجئے (کہ جس انداز میں بھی) ان کے لئے بھلائی (ہو وہی) بہتر ہے۔ اور اگر (اپنے خرچ میں) ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے ہی بھائی بند ہیں اور اللہ (تو) جانتا (ہی) ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا (لیکن) بلاشبہ اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے○

(اس آیت مبارکہ کے ابتدائی الفاظ پچھلے مضمون کے تسلسل میں آئے ہیں تاہم یہاں بھی وہ بے محل نہیں کہ دنیا کے معاملات ہی آگے بھی زیر بحث ہیں اور انہی کے اثرات لوگوں کی عاقبت پر مرتب ہوتے ہیں۔ سوال ہوا ہے یتیموں کے بارے میں جو اس معاشرے کا کمزور ترین حصہ تھے جس میں ایک عام خود کفیل انسان بھی اپنے کنبے قبیلے کی پشت پناہی یا کسی حلیف کا تحفظ حاصل کئے بغیر زندگی بسر کرنے میں دشواری محسوس کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے یتامیٰ کی وہاں کمی نہ ہوتی ہوگی جن کا ویسے تو کوئی پرسان حال نہ ہو لیکن اگر وارثت میں ملا ہوا کچھ مال ان کے نام ہو تو دور پار کے عزیز رشتہ دار بھی انہیں اپنی سرپرستی میں لینے کو آگے بڑھیں تاکہ ان کے مال سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید وعید آ چکی تھی للذا اہل ایمان بہت محتاط ہو گئے یہاں تک کہ یتیموں کی ہانڈیاں بھی الگ کر دیں جس کے نتیجے میں بعض اوقات کھانا ضائع بھی ہو تا کہ ان کے استعمال سے بچ رہا تو پھینکنا پڑتا تھا۔ اس درجے کی غیر ضروری احتیاط پر تبصرہ فرمایا گیا ہے کہ مقصود تو یتامیٰ کی بھلائی اور ان کے اموال کا تحفظ ہے جو اگر ان کا حساب کتاب بالکل الگ رکھنے میں ہو تو ایسا ہی کرو لیکن اسے مشترک رکھنے اور کھانا پینا بھی اکٹھا رکھنے میں فائدہ ہو تو اس میں بھی کیا حرج ہے کہ آخر تو وہ تمہی میں سے ہیں 'کوئی غیر نہیں اور اس میں تمہاری نیت نیک ہے یا اشتراک کے پردے میں ان کا مال اڑانے کی تو وہ اللہ سے یقیناً چھپی ہوئی نہیں جو اگر چاہتا تو یتامیٰ کے معاملے میں سخت تر احکام جاری کر کے تمہیں زیادہ بڑی مشکل میں ڈال دیتا۔ اس کا بھی اختیار تو وہ رکھتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ زیر بحث معاملے میں اپنی نیک نیتی کے استعمال اور اظہار کے مناسب ترین طریقے تم خود ہی نکالو۔)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور (امر واقعہ یہ ہے کہ) ایک مسلمان لونڈی (تمہارے لئے) بہتر ہے مشرک خاتون سے اگرچہ وہ تمہیں (کتنی ہی کیوں نہ) بھائے اور (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کر دو مشرکوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور (حقیقت یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک مرد سے خواہ وہ تمہیں کتنا ہی بھلا لگے۔ وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور (اسی لئے) لوگوں کو (کھول کر) بیان کرتا ہے اپنی ہدایات تاکہ وہ نصیحت قبول کریں○

(اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان مرد کی غیر مسلم عورت سے اور اسی طرح مسلمان عورت کی غیر مسلم مرد سے شادی پر پابندی نہیں تھی لیکن اب حکم آ گیا ہے کہ مسلمان مرد مشرک عورت سے شادی نہیں کرے گا خواہ وہ دل میں کتنی ہی اتر گئی ہو اور مسلمان عورت کو بھی مشرک مرد سے نکاح کی اجازت نہیں چاہے وہ کتنا ہی اچھا لگنے لگا ہو۔ نکاح مسئلہ ہی بن گیا ہو تو مشرک مرد و عورت کے مقابلے میں مسلمان غلام اور مسلمان لونڈی قابل ترجیح ہیں کیونکہ وہ اول الذکر کی طرح مسلمان مرد و زن کے ایمان کے دشمن تو نہ ہوں گے۔ مشرک رفیق یا رفیقہ حیات مسلمان کو کسی ادنیٰ درجے کے شرک میں بھی مبتلا کر دے تو ظاہر ہے کہ جہنم اس کا ٹھکانا بنے گا جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے اپنے بندوں کو جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں اور اس سلسلے میں ہر ضروری بات پوری وضاحت سے بتاتے ہیں تاکہ نصیحت کو قبول کرنے میں کوئی الجھن حائل نہ رہے۔ بعد ازاں مسلمان مردوں کو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی جسے آیت زیر مطالعہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ کتابیہ کا بھی غیر مشرکہ ہونا لازم آتا ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور یہود حضرت عزیر کو یہی حیثیت دے کر مشرکین میں شامل ہو چکے ہیں چنانچہ کوئی مسلمان مرد کسی نصرانی یا یہودی خاتون سے شادی کرنا چاہے تو اسے یہ وثوق حاصل کرنا ہوگا کہ وہ ان مشرکانہ عقائد سے اظہار براءت کرتی ہے۔)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
# ندائے خلافت
لاہور

جلد ۴ شمارہ ۱۰
۷ / مارچ ۱۹۹۵ء

5

مدیر
اقتدار احمد

معاونین : حافظ عاکف سعید
نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے سنگ روڈ۔ لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۳۰ " "

## یہ ملک کیا صرف غیر مسلموں کے لئے بنا ہے؟

توہین رسالت کے موضوع پر ہمارا اداریہ کمپوز ہو چکا تھا کہ عدالت عالیہ کا رات کے نو بجے سنایا جانے والا فیصلہ منظر عام پر آ گیا اور وہ خدشہ درست ثابت ہوا جو سماعت کے غیر معمولی انداز سے مذہبی طبقات میں پیدا ہو گیا تھا یعنی یہ کہ ملزموں کو جنہیں سیشن کی عدالت نے مجرم قرار دیا ہے' کسی نہ کسی بہانے بری کر دیا جائے گا۔ عدالت کے فیصلے پر رائے زنی سے اجتناب کرتے ہوئے ہم اپنے ردعمل کے طور پر تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت اور تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ میجر جنرل (ر) محمد حسین انصاری کے جامع تبصرے کو نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو اگلے روز انہوں نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ میں کیا اور مختصر الفاظ میں اخبارات میں یوں رپورٹ ہوا ہے کہ ہائی کورٹ کے فیصلے پر رنج اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا "اس سے بلاشبہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ رحمت مسیح اور سلامت مسیح ہی مجرم ہیں اور انہیں لازماً پھانسی دی جائے۔ ہائی کورٹ کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط' اس بارے میں سپریم کورٹ ہی فیصلہ کر سکتی ہے' ہم نہیں کر سکتے لیکن جس سرعت کے ساتھ ہائی کورٹ میں اس پر کارروائی ہوئی ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملک صرف غیر مسلموں کے لئے بنا ہے' مسلمان کو یہاں کوئی حقوق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ محض رونے دھونے' جلسے جلوسوں اور توڑ پھوڑ سے نہ آج تک کچھ بھی حاصل ہوا ہے نہ آئندہ ہو گا بلکہ الٹا ہم اپنا ہی نقصان کریں گے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور یہ معلوم کریں کہ ہماری پستی اور زبوں حالی کا اصل سبب کیا ہے۔ اصل سبب ہماری اسلام اور قرآن سے دوری ہے"۔

---

اداریہ

## توہینِ رسالت ---- ایک دعوتِ فکر

توہین رسالت کے جس مقدمہ کی عدالت عالیہ لاہور میں ان دنوں اپیل سماعت کر رہی ہے اس نے نہ صرف غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی بلکہ عدالت کے کمرے سے باہر لیکن عین اسی احاطے میں کچھ ایسی ہنگامہ آرائی کو بھی جنم دیا ہے جس کی مثالیں کم ملیں گی۔ عام حالات میں اسے عدالت پر اثر انداز ہونے کی ایک غیر مستحسن کوشش قرار دیا جاتا لیکن زیر بحث مقدمے میں بدقسمتی سے معاملے کی مخصوص نوعیت اس کا گویا جواز فراہم کر رہی ہے۔ سیشن کورٹ نے ڈیڑھ سال میں اس مقدمے کی باضابطہ سماعت مکمل کر کے دونوں ملزموں کو توہین رسالت کا مجرم قرار دے کر علاوہ دیگر تعزیرات کے موت کی سزا دی تھی۔ یہاں تک تو یہ ایک معمول کی عدالتی کارروائی تھی لیکن سزا کے اعلان کے بعد سے واقعات کی رفتار میں برق کی سی تیزی آ گئی اور صورت حال ڈرامائی رنگ اختیار کرنے لگی۔ بین الاقوامی نشریاتی اداروں اور خبر رساں ایجنسیوں نے اس پر شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیا اور اس کی وجہ سمجھ میں بھی آتی ہے۔ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے والے سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کو جن لوگوں نے پناہ دی اور تحفظ فراہم کیا' وہ ایک مسلمان ملک کی کسی عدالت کی طرف سے ایسی ہی کسی حرکت پر دو عیسائیوں کو سزائے موت دینے پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے! اس غوغائے سگاں کو ہم ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے لیکن قیامت تو خود اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وزیر اعظمٰی کے اعلانیہ ردعمل نے ڈھائی کہ اس سزا سے انہیں دکھ ہوا ہے۔ پھر آناً فاناً ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کے آغاز نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ مجرموں کے وکلاء میں سے ایک خاتون وکیل کو چونکہ اپنے علاج کے لئے لندن جانا تھا لہٰذا سزائے موت کی ہزاروں اپیلوں کو انتظار کے سرد خانے میں پڑا چھوڑ کر اس اپیل کی مسلسل سماعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ عاصمہ جہانگیر کی ہمشیرہ حنا جیلانی کو کہیں نہیں جانا تھا جو اپیل کنندگان کے وکلاء میں شامل ہیں' عاصمہ جہانگیر کی یہ ناز برداری محل نظر تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ تین فاضل ججوں میں سے ایک نے جب باری آنے سے بہت پہلے یعنی آؤٹ آف ٹرن اس اپیل کی سماعت پر اعتراض کیا تو فاضل چیف جسٹس نے انہیں اپنے تشکیل شدہ بنچ سے فارغ کر کے باقی دو فاضل ججوں کے ڈویژن بنچ پر ہی اکتفا کیا اور مسلسل فوری سماعت

کے اپنے حکم میں کوئی ترمیم ضروری نہ سمجھی۔ پھر مسیحی راہبوں اور رہنماؤں کی جوق در جوق آمد اور عدالت کے اندر اور باہر موجودگی بھی کم معنی خیز نہ تھی۔

اس پس منظر میں جب ایک انتہائی حساس مقدمے کی سماعت شروع ہوئی تو عام مسلمانوں کے کان بھی کھڑے ہو گئے اور بالخصوص مذہبی طبقات نے اگر یہ سمجھا کہ کلیا میں گڑ پھوڑنے کی تیاری ہو رہی ہے تو کیا غلط کیا۔ وہ آکر ہائی کورٹ کے باہر ڈیرے نہ ڈال دیتے تو اور کیا کرتے؟۔ جلتی پر تیل کا کام مقدمے کے اصل مدعی مولوی فضل حق کی طرف سے پراسرار دستبرداری کی درخواست اور اپنے وکلاء کے وکالت نامے منسوخ کرنے کے اقدام نے کیا جس کی حقیقت بھی جلد کھل گئی جب انہوں نے دوبارہ عدالت میں حاضر ہو کر بیان دیا کہ ان کی دستبرداری حکومتی دباؤ کے باعث تھی جس کا اب وہ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر اور گویا سر پر کفن باندھ کر آئے ہیں اور ساتھ ہی وکالت نامے از سر نو پیش کر دیئے۔ صورت حال میں اس ڈرامائی تبدیلی نے ایک طرف تو معاملے کی سنسنی خیزی میں اضافہ کر دیا ہے اور دوسری طرف اس الزام کی تردید کو بھی مشکل تر بنا دیا کہ بے نظیر بھٹو اپنے دورۂ امریکہ پر اس مقدمے کے کسی ایسے فیصلے کا تحفہ ساتھ لیجانا چاہتی تھیں جو ان کی روشن خیالی اور "مذہبی رواداری" پر ایک برہان قاطع ہوتا۔ مغرب "بنیاد پرستوں" کے مقابلے میں ان کی "مردانگی" پر داد تحسین کے ڈونگرے برساتا تو شاید ان کا دورہ کچھ اور کامیاب رہتا جس کی ابتدائی تیاری میں انہوں نے امریکہ کے اشتہاری ملزموں کو پکڑ پکڑ کے اس کے حوالے کرنے کا نیک کام پہلے سے ہی شروع کر رکھا ہے۔

سچ یہ ہے کہ ہم نہ عدالت عالیہ کے فاضل ججوں کی نیت پر کسی حملے کو جائز سمجھتے ہیں نہ عدالتی عمل پر رائے عامہ کے دباؤ کے اس ناروا انداز کے حامی ہیں لیکن جس رو میں یہ سب کچھ روا ہو تا جا رہا ہے' وہ چلی کہاں سے ہے؟۔ اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ یہ سب کچھ اپنے آئین کے اعتبار سے ایک اسلامی ریاست کے سیکولر حکمرانوں اور سیکولر کارندوں کا کیا دھرا ہے جو اس "کلمہ گو ریاست" کو مرتد بنانے پر تو فی الحال قادر نہیں' اپنی جھنجلاہٹ کو اس کا تشخص ممکن حد تک مجروح کر کے رفع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام وہ ہر شعبہ زندگی میں دھڑلے سے لیکن بڑی مہارت کے ساتھ کر بھی رہے ہیں لیکن اس خاص معاملے میں غیر معمولی عجلت نے ان کے بے ڈھنگے پن کا بھانڈا پھوڑ دیا اور الٹی آنتیں گلے پڑ گئی ہیں۔ قوی امید ہے کہ یہ طبقہ اس میں تو ان شاء اللہ ناکامی کا منہ دیکھے گا لیکن پاکستان کے مسلمانوں کے لئے یہ واقعہ اپنی جگہ ایک دعوت فکر بھی ہے۔

مسلمان بھائیو! تمہیں اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم وفداہ امی وابی) کی اہانت پر غم و غصے نے آپے سے باہر کر دیا ہے لیکن اسی رسولؐ کے دین کے ساتھ عین تمہاری آنکھوں کے سامنے شب و روز کیا ہو رہا ہے؟۔ تم نے نہیں دیکھا کہ وفاقی شرعی عدالت کے تاریخ ساز فیصلے کے بعد کہ بنک کا سود بھی "ربوا" ہے اور اسے جاری رکھنا اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ جاری رکھنے کے مترادف ہے' سود کو معاشرے کے زیریں طبقے تک میں سرایت کرنے کا موقعہ دینے کے لئے پیلی ٹیکسی کے فراڈ اور نام نہاد چھوٹے کاروباری قرضوں کی سکیم جیسی منصوبہ بندیاں کی گئیں' ماہانہ آمدنی کا اکاؤنٹ شروع ہوئے اور نئے بینکوں کی قطار لگ گئی جو سودی لین دین کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش اور دلکش بنانے کے لئے کروڑوں تو محض اشتہارات پر ہی خرچ کر رہے ہیں۔ کیا قرآن مجید میں وارد شدہ نص صریح کے مطابق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ کو قبول کرنا' توہین رسالت سے بڑا جرم نہیں؟۔

اے میری قوم کے لوگو! اگر پاکستان کے ان دو مسیحی شہریوں نے توہین رسالت کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے تو وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں' تم ہوشیار ہو کر کھڑے ہو گئے ہو کہ کسی کو بھی ان سے کوئی بے جا رعایت کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور اب مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں لیکن ہم سب کو اپنی زندگیوں کا جائزہ بھی تو لینا چاہئے' اپنے طرز عمل کا تجزیہ بھی تو کرنا چاہئے۔ رسولؐ کے ہر حکم کو واجب الاطاعت ماننا ہمارے اس ایمان کا جزو اعظم ہے جس کا اعلان کرتے ہم تھکتے نہیں لیکن اسیؐ کے احکام کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنی اس روش میں اتنے جری ہو گئے ہیں کہ جانتے بوجھتے ان کی واضح ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور پوری دیدہ دلیری سے کرتے ہیں۔ کیا ہم خود بھی توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب نہیں کر رہے؟۔ رسالت کا مقام تو بہت بلند ہے' اپنے افسر کے عہدے کو سلام کرو لیکن اس کے حکم کو اس کے سامنے ہی جوتی کی نوک پر مارو تو وہ تمہیں اپنی اس توہین کی ایسی سزا دے گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ ہاں' ہمیں یہاں توہین رسالت کی سزا دینے والی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی۔ ایسا کوئی قانون اب تک بنا نہیں ہے لیکن کیا یہ قصہ اسی دنیا میں کوتاہ ہو جائے گا' کیا آخرت میں اس کی سزا زیادہ کڑی نہ ہو گی جہاں اپیل کا بھی کوئی موقع نہ ہو گا؟۔OO

## بقیہ : حدیث امروز

طریقے پر ہمارے ہاں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں' بھارت میں بھی ایسا ہی ہو گا۔ ڈاکٹر مبشر حسن کے مشن کو جنرل (ر) حمید گل نے ایک لاحاصل کوشش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کا واحد حل جہاد ہے۔ جنرل صاحب بھی ہمارے احترام کے مستحق ہیں لیکن یہ تو وہ بھی جانتے ہوں گے کہ جہاد کشمیر شمشیر و سناں سے ہوتا ہے اخباری بیاں سے نہیں۔ وہ حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے عساکر پاکستان کو بلا تاخیر اذن بزن دیا جائے اور ادھر سے مایوس ہو کر پچھلے دنوں یہ اعلان بھی کر چکے ہیں کہ میں خود نوجوانوں کی قیادت کرتے ہوئے کشمیر پر چڑھائی کرنے والا ہوں۔ ان کا جوش و جذبہ قابل قدر ہے اور غیرت ایمانی کا آئینہ دار بھی لیکن رونا تو یہی ہے کہ قوم متاع ایمان ہی سے محروم ہے بلکہ محرومی کے اس زیاں کے احساس سے بھی عاری ہوتی جا رہی ہے۔

بھارت کے بارے میں سوچتے ہوئے ہم یہ حقیقت اکثر فراموش کر دیتے ہیں کہ وہاں ہم سے ڈیڑھ گنا تعداد میں مسلمان بھی بستے ہیں جنہیں ہماری بھارت دشمنی سے آج تک کوئی فائدہ نہیں ہوا جبکہ بھارت سے ہمارے تعلقات کے معمول پر آنے میں ان کا بھلا ہی بھلا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کا بیان طویل ہو جائے گا لہٰذا اسی کنائے پر اکتفا کرتے ہوئے ایک اور پہلو کی طرف بھی محض اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلاشبہ "ہنود" اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کے خلاف "یہود و ہنود" کا ناپاک گٹھ جوڑ بھی ایک مسلمہ امر ہے لیکن یاد رکھئے کہ اصل ہنود وہ برہمن زادے ہیں جن کی تعداد بھارت کی آبادی کے آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں۔ وہاں

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

## سیاست میں دوست اور دشمن مستقل نہیں ہوتے

نثار احمد ملک

# قائدِ حزبِ اختلاف کی سیاسی بصیرت محلِ نظر ہے

## نواز شریف نے کئی سنہرے مواقع اپنی بے تدبیری سے کھو دیئے

**پاکستان میں حکومتیں بدلتے دیر نہیں لگتی' دیکھنا یہ ہے کہ اب "پس پردہ قوتیں" کس کو سامنے لاتی ہیں**

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے قومی انتخابات کے نتیجے میں بننے والی بے نظیر بھٹو صاحبہ کی مخلوط حکومت کو سوا سال سے زائد عرصہ ہونے کو ہے۔ ان انتخابات میں کسی بھی جماعت کو واضح مینڈیٹ نہ مل سکا تھا لہٰذا زیادہ نشستیں لینے والی جماعت کو بھی حکومت بنانے کے لئے چھوٹی جماعتوں کا سہارا لینا پڑا۔ اس وقت کے مختلف سیاسی و صحافتی تجزیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان کا خلاصہ یہ تھا کہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی کمزور حکومت کو ایک طاقتور اپوزیشن کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا انتخابات کے نتیجے میں سیاسی محاذ آرائی ختم ہونے کی بجائے مزید بڑھے گی لیکن بے نظیر حکومت نے سوا سال سے زائد مدت پوری کر لی ہے اور بظاہر احوال اس کے خاتمے کے آثار بھی نظر نہیں آتے اگرچہ محاذ آرائی توقعات سے بھی کہیں زیادہ بڑھی ہے۔

اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف حکومت کیوں ختم نہ کر سکے' اس سوال کا جواب لینے کے علاوہ بطور اپوزیشن لیڈر ان کے کردار کا تعین کرنے کے لئے بھی ان کے سیاسی کیریئر کے ماضی کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ میاں نواز شریف کو ایک بڑی شخصیت نے Promote کیا تھا' نتیجتاً وہ سیاست کے معرکے سر کئے بغیر اقتدار کا زینہ چڑھتے وزارت عظمیٰ کی مسند پر جا پہنچے۔ ان کی شخصیت کی ظاہری دلکشی' ان کی سیاسی سرپرستی اور ان کے تحرک نے انہیں شہرت کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ بہت سی سیاسی شخصیات اور جماعتوں کو جو ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے موقع پر میاں صاحب کی حلیف تھیں' یہ زعم ہو گیا تھا کہ میاں نواز شریف کی کامیابی ہماری مرہون منت ہے لیکن اکتوبر ۹۳ء کے انتخابات نے ثابت کر دیا کہ ۹۰ء میں خود یہ سب جماعتیں اور شخصیتیں نواز شریف اور مسلم لیگ کے "صدقے" کامیاب ہوئی تھیں نہ کہ نواز شریف کی کامیابی میں ان کا کوئی کردار تھا۔ اسلئے کہ اکتوبر ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں تنہا پرواز یعنی Solo Flight نے ان جماعتوں کے وجود تک کو معرض خطر میں ڈال دیا ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے انتخابات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ میاں نواز شریف کی حرکت' عمل اور محنت شاقہ سے مسلم لیگ واقعتاً پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ایک جماعت کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ بہرحال ہم یہاں نواز شریف کے ماضی کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ ۹۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں اسلامی جمہوری اتحاد کو جس کے دولہا میاں نواز شریف تھے' دو تہائی اکثریت حاصل ہوئی۔ شاید یہی دو تہائی اکثریت میاں صاحب کے لئے امتحان بن گئی کہ وہ کامیابی کے نشے میں چور ہو کر بہک گئے اور اپنے ساتھیوں سے ایک ایک کر کے محروم ہونا شروع ہو گئے۔ دینی جماعتوں سمیت ان کے اتحادیوں کو ان سے گلے شکوے شروع ہو گئے جو بالآخر مفارقت پر منتج ہوئے۔ گویا میاں نواز شریف صاحب اپنے اتحادیوں کی توقعات پر پورا نہ اترے تھے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ جہاں تک میاں نواز شریف صاحب کی شہرت اور عوام میں پذیرائی کا تعلق ہے' وہ شک و شبہ سے بالا ہے۔ رہا معاملہ ان کی محنت اور حرکت و عمل کا تو ۹۳ء کے انتخابات نے اس پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود میاں صاحب کی سیاسی بصیرت محل نظر ہے۔ اس لئے کہ دو تہائی اکثریت حاصل ہونے کے علاوہ صدر پاکستان کی سرپرستی کے باوجود وہ اپنی مدت اقتدار پوری نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ عدالتی تاریخ کا منفرد فیصلہ بھی ان کی پشت پر تھا جس سے نہ صرف یہ کہ انہیں سیاسی فتح حاصل ہوئی بلکہ عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے میں بھی کامیابی ہوئی۔ گویا میاں نواز شریف نے جو فتح ایوان عدالت میں حاصل کی تھی میدان سیاست میں اس کو برقرار نہ رکھ سکے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ میاں صاحب بے نظیر بھٹو کی شاطرانہ سیاسی چالوں کی تاب نہ لا سکے جس نے میاں صاحب کے اپنے گھر سے ہی ان کے دشمن پیدا کر دیئے اور میاں صاحب کے نئے دشمنوں اور اپنے پرانے دشمنوں کو بظاہر اپنا دوست بنا لیا۔ گویا محترمہ نے اس سیاسی نظریئے پر پوری یکسوئی کے ساتھ عمل کیا کہ سیاست میں نہ کوئی دوست مستقل ہوتا ہے نہ دشمن۔ چنانچہ ماضی کے بڑے بڑے دشمن اور مبینہ طور پر بھٹو کے قاتل بھی نظریہ ضرورت کے تحت اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر دوست بنائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت بھی بے نظیر بھٹو کے قریبی ساتھیوں میں بہت سے ایسے لوگ شامل ہیں جو ضیاء الحق مرحوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ میاں نواز شریف نے اپنے کچھ مستقل دشمن پال لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جونیجو لیگ کو جو ان کے اپنے ہی ماضی کے ساتھیوں اور دوستوں پر مشتمل ہے' اپنے ساتھ نہیں رکھ سکے۔ ان کو ساتھ ملانا تو کجا میاں صاحب ہر

اس شخص سے شدید نفرت کرتے ہیں جس کا ان کے اقتدار کے خاتمے میں کسی درجے میں بھی ہاتھ ہے۔ گویا میاں صاحب مروجہ سیاسی رویئے سے عاری ہیں۔ اگر میاں نواز شریف اپنے رویئے میں تھوڑی سی بھی نرمی پیدا کرتے تو پنجاب میں جونیجو لیگ بلکہ صحیح تر الفاظ میں وٹو لیگ کے ساتھ مل کر آسانی سے مخلوط حکومت بنا سکتے تھے۔ اس لئے کہ پنجاب میں پیپلز پارٹی اور جونیجو لیگ واقعتاً ایک دوسرے کی مجبوری ہیں۔ اب تو یہ بات محترمہ بے نظیر بھٹو کی طرف سے بھی آ چکی ہے کہ کارکن صبر سے کام لیں' منظور وٹو ہماری مجبوری ہے۔ پیپلز پارٹی منظور وٹو کو محض اس لئے برداشت کئے ہوئے ہے کہ پنجاب میں اگر وہ کھلی جنگ کا آغاز کرتی ہے تو مرکز میں بھی اس کا اقتدار خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ بے نظیر کے اس بیان پر جواب آں غزل کے طور پر میاں منظور وٹو نے ارشاد فرمایا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی مجبوری ہیں۔ یہاں ہم یہ بات ضمناً عرض کر رہے ہیں کہ میاں منظور احمد وٹو نے واقعتاً اپنی سیاسی بصیرت کا لوہا منوایا ہے۔ لوگ انہیں مفاد پرست اور موقع پرست بھی کہتے ہیں لیکن ہم عرض کریں گے کہ مروجہ سیاست کا گندا کھیل ہے ہی مفاد پرستی اور موقع پرستی کا نام۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ یہ مفادات پردے میں بیٹھ کر حاصل کرتے ہیں اور بعض مسند اقتدار پر بیٹھ کر۔ میاں منظور احمد وٹو کے صبر کو داد دینا پڑتی ہے جو پنجاب کے لاٹ صاحب کے ساتھ گزارا کر رہے ہیں۔

بہرحال میاں نواز شریف کی جگہ اگر بے نظیر بھٹو ہوتیں تو مجھے کامل یقین ہے کہ وہ منظور وٹو کے سیاسی گناہوں کو وقتی طور پر معاف کر کے' اپنے جال میں پھنسا چکی ہوتیں اور مناسب موقع آنے پر سیاسی گناہوں کی سزا بھی سیاسی انداز میں ہی دیتیں۔ اس وقت بھی میاں نواز شریف صاحب کے لئے پورا موقع موجود ہے کہ وہ منظور وٹو صاحب کو برداشت کر لیں۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو مرکز میں بے نظیر بھٹو صاحبہ کا برسراقتدار رہنا محال ہو جائے گا۔

میاں نواز شریف نے وزیر اعظم کے علاوہ بطور اپوزیشن لیڈر بھی سیاسی بلوغت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کی ایک مثال ان کی بے نظیر حکومت کے خلاف بے موقع محاذ آرائی ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بے نظیر بھٹو نے نواز شریف صاحب کو دو سال دینے کے بعد اپنی مہم کا آغاز کیا تھا۔ میاں صاحب کو بھی تحریک شروع کرنے سے پہلے عوامی موڈ کا جائزہ لینا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ عوام پے در پے انتخابات سے تنگ آ چکے ہیں لہٰذا ضروری تھا کہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے کسی نئی سیاسی محاذ آرائی میں نہ الجھایا جاتا۔ اس کے علاوہ میاں نواز شریف نے پہلے صدر پاکستان کے خلاف محاذ کھولا اور سارا سیاسی جوش و جذبہ اور عوامی قوت اس میں جھونک دی' پھر اس کو کسی نتیجے پر پہنچائے بغیر حکومت کے خلاف صف آراء ہو گئے۔

"تحریک نجات" کے لئے مناسب موقع کا انتخاب نہیں کیا گیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہی تحریک اگر گوادر کے معاملہ کے ساتھ شروع کی جاتی تو کامیاب بھی ہو سکتی تھی۔ پھر تحریک نجات شروع کرنے سے پہلے دوسری سیاسی و مذہبی قوتوں کو ساتھ ملانے کی کوشش نہیں کی گئی جبکہ بے نظیر بھٹو نے لانگ مارچ کے دوران کچھ قوتوں کو ساتھ ملا لیا تھا۔ تحریک نجات کے دوران تمام سیاسی کارڈ یکے بعد دیگرے استعمال کر لئے گئے۔ گویا اس وقت میاں صاحب کے پاس صرف "لانگ مارچ" کا ایک کارڈ باقی رہ گیا ہے' باقی تمام استعمال ہو چکے ہیں۔

تحریک نجات کے دوران میاں صاحب کو سیاسی میدان میں شاید پہلی دفعہ کچھ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ بے نظیر حکومت نے پوری ریاستی مشینری کو اور تمام قانونی ہتھکنڈوں کو "تحریک نجات" کو کچلنے میں جھونک دیا۔ مسلم لیگ کے مظاہرین پر جس بری طرح تشدد کیا گیا' پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اس کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ لیکن اس ریاستی تشدد کے خلاف محترم میاں صاحب کے بیانات بہت ہی غیر متوازن تھے۔ انہوں نے بعض پولیس افسروں اور انتظامیہ کے کارندوں کے نام لے لے کر کہا کہ ان کو فلاں چوک میں اپنے ہاتھ سے کوڑے ماروں گا۔ اس طرح کے بیانات عدلیہ اور بعض ججوں کے نام لے کر بھی داغے گئے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ ریاستی مشینری کو استعمال کرنے والی حکومت ہوتی ہے۔ اعلیٰ افسران تو اپنی نوکری بچانے اور پکی کرنے کی فکر میں حکم بجا لانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ افسران کی بڑی تعداد کو مسلم لیگ سے بیر ہے یا پیپلز پارٹی سے محبت ہے۔

قائد حزب اختلاف کی سیاسی زندگی کے اس انتہائی جزوی اور مختصر سے تجزیئے سے ان کے سیاسی مستقبل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر انہوں نے سیاسی دوستیوں اور دشمنیوں کو یونہی مستقل بنا لیا تو عجب نہیں کہ وہ اپنی عوامی شہرت کے باوجود سیاسی منظر سے غائب ہو جائیں۔ اگرچہ تاحال سیاسی طور پر ان کی عوامی مقبولیت نہ صرف برقرار ہے بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے مقابلے پہ کوئی دوسری قوت موجود ہی نہیں ہے۔ ہم باقی تمام جماعتوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کوئی دم خم ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ میاں صاحب اس عوامی شہرت سے کس قدر سیاسی فائدہ اٹھاتے ہیں اور کس حد تک اس کو اگلے انتخابات تک برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف کوئی "الائنس" معرض وجود میں آ سکے گا؟ یہ ایک سوال ہے جو آج کل سیاست کا موضوع بنا ہوا ہے۔ ہم نے قائد حزب اختلاف کے سیاسی رویئے کا جائزہ' اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہی لیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن اور وزیر اعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ کی سیاسی بصیرت واقعی قابل داد ہے کہ وہ اب تک تمام چھوٹے سیاسی گروہوں کا' بشمول مولانا فضل الرحمٰن تعاون حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ انہیں اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی۔ ماضی کے بڑے بڑے سیاسی جوڑ توڑ کے ماہرین بھی ایک آدھ کمیٹی کی چیئرمینی پر قانع اور شاکر ہو کر محترمہ کی ہاں میں ہاں ملانے میں عافیت دل و جان محسوس کرتے ہیں لہٰذا بظاہر محترمہ کو "سب اچھا" نظر آ رہا ہے۔ پردۂ غیب کے پیچھے ان کی قسمت کا کوئی فیصلہ ہو چکا ہے یا نہیں' اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف نے بھی اپنے رویئے میں کسی قدر لچک پیدا کی ہے۔ ان کے اس بدلے ہوئے رویئے کا مظہر' اپنے ماضی کے بڑے بڑے فریقوں سے سیاسی رابطے ہیں۔ چنانچہ قائد حزب اختلاف کی طرف سے دیئے گئے "سیاسی" افطار ڈنر میں نواب زادہ نصر اللہ خان' غلام مصطفیٰ جتوئی اور بلخ شیر مزاری سمیت بڑے بڑے جغادری سیاست دانوں نے شرکت کی۔ ان کے اس افطار ڈنر کو سیاسی تجزیہ نگاروں نے "گرینڈ الائنس" کی تمہید کا نام دیا۔ اگرچہ اس ڈنر میں شریک سیاست دانوں کے بعد کے بیانات اس امید پر اوس ڈال دیتے ہیں۔

یہ افطار ڈنر بے شک کسی فوری الائنس کی تمہید

نہ بنے' تب بھی محترمہ بے نظیر بھٹو کے بعض غیر دانش مندانہ اقدامات' ان کے سیاسی کھیل کو بگاڑ رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں کہ شیخ رشید پر جس طرح کلاشنکوف ڈالی گئی اور جس عجلت میں عدالت سے فیصلہ لیا گیا' اس اقدام نے حکومت کے حلیف سیاست دانوں کے دلوں میں اپوزیشن کے لئے نرم گوشہ پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ نواب زادہ نصر اللہ خان اور جتوئی سمیت بہت سے سیاست دانوں نے اس اقدام کی ڈھکے چھپے اور دبے الفاظ میں مذمت کی ہے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی نے تو واضح طور پر کہا ہے کہ میں شیخ رشید صاحب کے لئے ایوان کے اندر اور باہر ہر دو جگہ آواز بلند کروں گا۔ گویا نام نہاد احتساب کے نام پر روا رکھی جانے والی انتقامی کاروائیوں نے تمام سنجیدہ سیاست دانوں کے کان کھڑے کر دیئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بات اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے اور سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ پورے پاکستان میں کیا صرف ایک کلاشنکوف ہی غیر قانونی تھی؟

حکومت کے ان اقدامات کے علاوہ کراچی کی مخدوش صورت حال نے بھی عوام کے دلوں میں حکومت کے خلاف بیزاری پیدا کر دی ہے۔ حکومت محض یہ کہہ کر کہ اس میں "را" کے ایجنٹوں اور تربیت یافتہ دہشت گردوں کا ہاتھ ہے' اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ کیا ان دہشت گردوں کو پکڑنا اور کیفر کردار تک پہنچانا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے؟۔ وہاں کوئی فرد بشر اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ ہر لمحے موت کا رقص جاری ہے۔ گویا جنگل کا قانون چل رہا ہے۔ اپوزیشن کے پاس یہ بہت مضبوط ہتھیار ہے اور ان کی سیاسی ذمہ داری بھی ہے کہ حکومت کو مثبت اقدامات پر مجبور کر دے یا ایسی حکومت سے عوام کی جان بخشی کرائے۔

بے نظیر حکومت سیاسی جوڑ توڑ کی وجہ سے یا یوں کہئے کہ سیاسی رشوت کی کھلے عام تقسیم کی وجہ سے اگرچہ بظاہر قائم ہے اور اسے کوئی فوری خطرہ نہیں ہے لیکن عوامی سطح پر اس کی مقبولیت میں بہت کمی ہوئی ہے۔ اس عوامی مقبولیت میں کمی کے کئی دوسرے اسباب بھی ہیں جن میں سے ایک کمر توڑ مہنگائی ہے۔ حکومت نے اگرچہ یوٹیلٹی سٹورز کے ذریعے اونٹ کے منہ میں زیرہ دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ بات ہر باشعور شہری کو معلوم ہے کہ پبلک سیکٹر کی گھی سمیت اکثر مصنوعات کی پیداوار کل پیداوار کا دس فیصد ہے۔ ظاہر ہے حکومت صرف دس فیصد آبادی کو ہی ضروریات زندگی نسبتاً سستے داموں مہیا کر سکتی ہے تو باقی نوے فیصد آبادی کہاں جائے!! عوام کو مہنگائی نے جس مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا ہے' اس کے نتیجے میں بے نظیر حکومت کے خلاف شدید نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ ہم لوگ دراصل سڑکوں پر مٹھی بھر جیالوں کو ناچتا دیکھ کر پیپلز پارٹی کی قوت کا غلط اندازہ لگاتے رہتے ہیں حالانکہ عوام کی عظیم اکثریت خاموش ہوتی ہے اور انتخابات میں اس خاموش اکثریت کو ہی فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اس تجزیہ کی روشنی میں جو کسی قدر پھیل گیا ہے' ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قائد حزب اختلاف کی سیاسی عدم بلوغت کے باعث اگرچہ کسی فوری سیاسی اتحاد کی امید کرنا تو عبث ہو گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومتی پالیسیاں بعض سنجیدہ سیاست دانوں کو اپوزیشن کے قریب کر رہی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اپوزیشن ان سیاست دانوں کی ہمدردیوں سے کس قدر فائدہ اٹھاتی ہے۔

اس کے علاوہ ہم جونیجو لیگ اور نواز لیگ میں کسی اتحاد کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جونیجو لیگ کے نائب صدر میر ظفر اللہ جمالی اس اتحاد کے لئے بہت سرگرم ہیں اور پرامید بھی۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ایوان کے اندر سے ہی تبدیلی کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے لئے ظاہر ہے قائد حزب اختلاف کو وزارت عظمیٰ کی قربانی دینا پڑے گی' جس کے لئے وہ آمادہ نظر آتے ہیں اگرچہ انہیں اپنی پارٹی کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا ہے۔ مسلم لیگ نواز گروپ کے بعض رہنما جتوئی کے طرز کے کسی سابقہ تجربے کو دہرانا نہیں چاہتے۔ ان کی اس بات میں بظاہر وزن بھی ہے کہ وزیر اعظم یک رکنی یا دو رکنی جماعت کا آدمی کیوں بنے اور ۷۶ ارکان رکھنے والا کیوں نہ بنے۔ بہرحال سیاست میں کسی بڑے دشمن کو ختم کرنے کے لئے' اس طرح کی قربانیاں دینا ہی پڑتی ہیں۔

گورنر پنجاب جناب الطاف حسین کے حالیہ مصالحتی فارمولے نے بھی جونیجو لیگ کو پیپلز پارٹی کی نسبت مسلم لیگ نواز گروپ سے قریب ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلم لیگ نواز گروپ اور پیپلز پارٹی کے درمیان کسی اتحاد کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا جونیجو لیگ عدم تحفظ کے پیش نظر مسلم لیگ نواز گروپ کے ساتھ اتحاد یا انضمام کے بارے میں سوچ سکتی ہے۔ پھر گورنر الطاف صاحب کے فارمولے کے خلاف وزیر اعلیٰ وٹو کا بڑا شدید ردعمل بھی سامنے آ چکا ہے۔ مزید یہ کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے بھی اس فارمولے کو رد کرتے ہوئے پی ڈی ایف کی حکومت کی کمزوری کا مظہر قرار دیا ہے۔

اس وقت ملک میں جاری سیاسی جوڑ توڑ کی کشاکش میں دینی جماعتوں کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ دینی سیاسی جماعتوں کو نظر انداز کئے جانے کے کئی اسباب ہیں' جن کو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ایک بڑا سبب ان کی پارلیمنٹ میں عددی قلت بھی ہے اور دونوں بڑی جماعتوں کا سیکولرزم پر مبنی رویہ بھی۔ ہم نے "ندائے خلافت" کے انہی صفحات میں اکتوبر ۹۳ء کے انتخابات کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کا ملکی انتخابی سیاست کے حوالے سے کردار ختم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ "تحریک نجات" کے دوران بھی اور بعد میں بھی قائد حزب اختلاف نے مذہبی سیاسی جماعتوں سے اتحاد کے لئے کوئی خاص رابطہ نہیں کیا۔ جہاں تک تعلق ہے پیپلز پارٹی کا تو ان کے ساتھ بھی صرف ایک "مولوی" صاحب ہی ہیں' جو لگتا ہے کہ پیپلز پارٹی پر دل ہار چکے ہیں۔

بہرحال ملکی سیاسی صورت حال واقعتاً بہت گھمبیر ہے۔ ابھی تک کسی فریق کے لئے بھی میدان مکمل طور پر صاف نہیں۔ اگر مذکورہ بالا صورت حال سے ہٹ کر دیکھا جائے تو یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ اس ملک میں حکومتوں کے بدلنے کے فیصلے کہیں اور ہی ہوتے ہیں۔ ہماری سیاسی تاریخ شاہد ہے کہ حکومتوں کے بدلنے اور بننے میں دیر نہیں لگتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ "پردۂ غیب میں مستور" قوتیں بے نظیر حکومت کو کب تک برداشت کرتی ہیں اور اگر بے نظیر ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو ان کی جگہ یہ وہ دوبارہ نواز شریف کو آزمائیں گے یا کوئی "مردے از غیب" مطلع سیاست پر نمودار ہو گا۔ اس طرح کے بے شمار سوالات جواب طلب ہیں' جن کے جواب کے لئے کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا جو وقت خود ہی دے گا۔OO

"ندائے خلافت" کے ادارۂ تحریر کی جانب سے قارئین کو عید الفطر مبارک ہو

## ایک چھوٹی سی مسلم قوم نے دنیا کو چونکا کر رکھ دیا

# چیچنیا میں روس کے استبداد کی رونمائی ہوئی ہے

سردار اعوان

## گروزنی سے روسی فوجیوں کی لاشیں اٹھتی رہیں گی!!

**چیچنیا کے واقعات کی مشابہت افغانستان سے کم اور بوسنیا سے زیادہ ہے۔۔ مسلم ممالک کی بے حسی بھی مثالی ہے**

روس میں کمیونزم کا بت پاش پاش ہوا تو اسے اپنی بقاء کے لئے ناچار جمہوریت کا لبادہ اوڑھنا پڑا تاکہ اسے مغرب کی ہمدردی حاصل ہو سکے مگر اس کا مکروہ استبدادی چہرہ تادیر دنیا سے چھپا نہ رہ سکا۔ اس کا جمہوری لبادہ اس وقت تار تار ہو گیا جب پارلیمنٹ کی مخالفت کے باوجود صدر یلسن کی نام نہاد سلامتی کی کونسل نے چیچنیا پر دھاوا بولنے کے احکامات صادر کر دیئے۔ کسی چھوٹی سی قوم کے خلاف، جس کی اپنی کوئی باقاعدہ فوج نہیں ایک بہت بڑے ملک کی طرف سے اتنے بڑے پیمانے پر فوج کو میدان میں لانے کی حالیہ تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور نہ ہی نیم تربیت یافتہ شہریوں کے ہاتھوں فوج کی یہ درگت بنتی کسی نے دیکھی سنی ہوگی۔ سختی کے حامی روسی جنرلوں کی اس بزدلانہ کارروائی پر خود روس کے اندر خاصی بے چینی پائی جاتی ہے اور مسلسل اس کے خلاف ردعمل ظاہر کیا جا رہا ہے مگر عالمی برادری کے ضمیر کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہے۔ خاص کر مسلم ممالک کی بے چارگی تو دیکھی نہیں جاتی۔ امریکی صدر کلنٹن بظاہر صدر یلسن کی حمایت جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کی "صحت" کا غم بھی کھائے جا رہا ہے۔ جو بلا نوشی کے ہاتھوں دم توڑ رہی ہے۔

صدر یلسن اب یہ استعماری حربہ آزمانے کے چکر میں ہیں کہ چیچنیا میں انتخابات کے وعدہ پر اپنی مرضی کی ایک عبوری کونسل قائم کرا سکیں تاکہ وسط ایشیائی ریاستوں کی طرح "آزادانہ" انتخابات کے نتیجے میں یہاں بھی اقتدار واپس کمیونسٹوں کو منتقل ہو جائے اور حق بہ حق دار رسید کا عملی تقاضا پورا ہو جائے۔ مگر اس میں غالباً ایک مشکل یہ پیش آ سکتی ہے کہ اپنی ساری فوجی طاقت اس مہم میں جھونک دینے کے باوجود چیچنیا پر روس کا کنٹرول ہوتا نظر نہیں آتا، جس کے بغیر وہاں سے اپنے مطلب کے آدمی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اب تک صورتحال یہ ہے کہ صدر یلسن کے بار بار کے اعلانات کے باوجود کہ گروزنی پر روسی فوجوں کا قبضہ ہے وہاں سے روسی فوجیوں کی لاشیں آنا بند نہیں ہوئیں اور یہ اطلاعات کہ وہاں سے روسی فوجی فرار اختیار کر رہے ہیں، روسی فوج میں پائی جانے والی بدنظمی اور بددلی کا پتہ دیتی ہیں۔ اگرچہ سرکاری ذرائع ابلاغ اپنی دیرینہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مسلسل جھوٹ کا پرچار کر رہے ہیں لیکن گروزنی سے بھاگ کر آنے والے روسیوں کا کہنا ہے کہ چیچنیا پر روسی قبضہ "ہنوز دلی دور است" والا معاملہ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ ہتھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ دیکھنے میں عام انسان ہیں مگر لڑائی میں چیتے کا جگر رکھتے ہیں۔ موت کا خوف تو انہیں چھو کر نہیں گزرا۔

چیچنیا سے اگرچہ براہ راست بہت کم اطلاعات موصول ہوئی ہیں لیکن غیر جانبدار حلقوں کا کہنا ہے کہ مسلسل بمباری کے نتیجے میں گروزنی کا شہر راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے۔ اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ مسلمان مقابلہ کرتے ہوئے ہلاک ہوئے ہیں اور شہر کی کل چار لاکھ کی آبادی میں سے بیشتر لوگ بھاگ کر پڑوسی علاقے انگیشیا میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔ تاہم صدر داؤوف کے بارے میں خیال ہے کہ وہ تاحال گروزنی میں ہی ہیں۔ ۲۵/ جنوری کو "امپکٹ انٹرنیشنل" سے اپنے سب سے بڑے بیٹے "اولور" کی ہلاکت کے بارے میں بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ سب نوجوان میرے بیٹوں کی مانند ہیں جنہوں نے اسلام کے لئے اپنی جانیں دی ہیں۔ اولوران جیسا ایک عام سپاہی ہے بلکہ ان میں بھی شاید ایک کم تر درجے کا سپاہی۔

"چیچنوں کو کوئی بتا دے کہ ہم نے جنگ جیت لی ہے"

دارالحکومت گروزنی میں اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کی جارہی ہے

چیچنیا کے الم ناک واقعات کا اکثر لوگ افغانستان سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ عین ممکن ہے کہ چیچنیا میں روس کا وہی حشر ہو جو افغانستان میں ہوا لیکن درحقیقت چیچنیا میں جس بیدردی کے ساتھ مسلمانوں کا صفایا کیا جا رہا ہے اس کا بوسنیا میں مسلمانوں کے قتل عام سے قریبی تعلق دکھائی دیتا ہے۔ افغانستان کے حوالے سے بعض تبصرہ نگار یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ افغانستان میں امریکہ کا مفاد اس میں تھا کہ روس کا سر کچلا جائے لہٰذا مسلمان حکمران "اسلام" کا بول بالا کرنے میں پیش پیش تھے حالانکہ افغانستان میں روس نواز مسلمان بھی کوئی کم نہ تھے۔ مگر اب امریکہ روس کو اپنا حاشیہ نشین کے طور پر باقی رکھنا چاہتا ہے تو مسلمان ممالک روس کی بوکھلاہٹ اور پاگل پن کو "معصومیت" کا درجہ دینے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ روس کا اپنا یہ حال ہے کہ وہاں کے ایک سابق وزیر اعظم یگرگیدار (Yegor Gaidar) اور پچھلے وزیر خارجہ بورس پنکن (Boris Pankin) جیسی ممتاز شخصیات نے چیچنیا پر روس کے حملے کو انسانی حقوق اور جمہوری قدروں کی سنگین خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ روسی حکومت کے انسانی حقوق کے اپنے مقرر کردہ کمشنر سرگی کوالوف (Sergey Kovalev) استعفیٰ دے کر الگ ہو گئے ہیں۔ درجن بھر چوٹی کے جنرلوں نے چیچنیا پر حملے کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ روسی فیڈریشن میں شامل مسلمان آبادی والی ریاستوں نے کھلم کھلا اس بہیمانہ قتل عام سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔ مگر نام نہاد مسلم ممالک کے بھونڈے پن کا یہ عالم ہے کہ سعودی عرب کے نائب وزیر اعظم، شہزادہ سلطان ابن عبدالعزیز نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ چیچنیا کے عوام کی حمایت نہیں کر سکتے۔ ملائشیا کے وزیر خارجہ، عبداللہ بداوی نے مزید ایک قدم آگے بڑھایا اور "دونوں" کو "صلح صفائی" سے مل جل کر رہنے کی تلقین فرمائی اور کہا کہ یہ روس کا اندرونی معاملہ ہے۔ آخر بے غیرتی کی بھی حد ہوتی ہے۔ کیا کوئی ملک اپنے عوام کو بے دریغ قتل کرتا ہے اور پھر

## یلسن انتخابات میں جمہوریت کے نام پر اقتدار کمیونسٹوں کو منتقل کرنے کے چکر میں ہیں، ان کا منصوبہ کامیاب ہو گا؟

جن علاقوں پر روس نے غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا وہ اس کے اپنے کیسے ہو گئے۔ بہرحال ایران بہت بڑا مسلمانوں کا چمپئن بنتا ہے مگر اس کے چونکہ روس کے ساتھ گہرے تجارتی تعلقات ہیں، اس لئے اس نے بھی گول مول بات کر کے معاملہ ٹال دیا۔ کم از کم دو مسلمان ممالک تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے ماسکو جا کر یہ یقین دہانی کرانا ضروری سمجھا کہ ہمارے اسلام کو اب قصہ ماضی سمجھو۔ البتہ بوسنیا کے صدر علی جاہ عزت بیگووچ چونکہ خود بھی زخم خوردہ ہیں لہٰذا انہوں نے چیچنیا کے مسلمانوں کا ساتھ دینے کا بھرپور وعدہ کیا۔

یورپ کے لئے چیچنیا کے سفیر، چارلس تکوتا نے، جو بلغاریہ کے ایک عیسائی ہیں "اسپیکٹ انٹرنیشنل" سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ "گروزنی" پر روسی قبضہ کا دعویٰ جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ روس اسلحہ کے زور پر شہروں کو تباہ اور بے گناہ شہریوں کو ہلاک تو کر سکتا ہے لیکن روسی فوج اپنی پست ہمتی کے باعث اس قابل نہیں کہ چیچنیا کے ایک انچ علاقے پر بھی قبضہ کر سکے۔ انہوں نے مغرب کے رویہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ چیچنیا کے لوگوں کو ٹی وی پر "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو آزادی اور انسانی حقوق کے ان کے سارے اصول دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور وہ اسلام کو اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عیسائیوں کو اسلام سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ عیسائی خدا کو بڑا نہیں مانتے؟ اگر مسلمان یہ کہتے ہیں تو اس میں غلط بات کونسی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ چیچنیا کے مسلمانوں کے علاقے میں آباد عیسائیوں کے ساتھ اچھے مراسم ہیں۔ روسیوں کا معاملہ مختلف ہے وہ اور ہی نسل کے لوگ ہیں، جن کا کوئی دین مذہب نہیں۔

چیچنیا والوں کی روس کے خلاف یہ جنگ کم سے کم چار صدیوں سے جاری ہے جس میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کی دو عظیم ہستیوں نے نمایاں کردار ادا

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

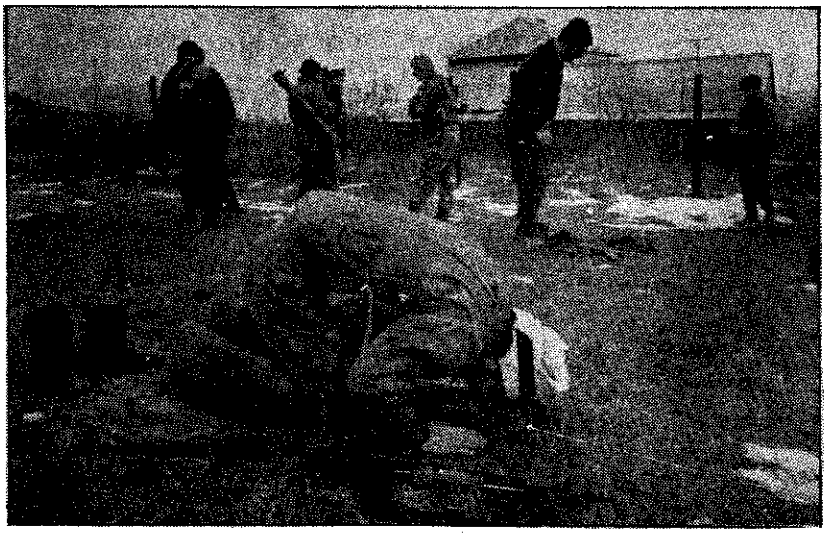

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز --- چیچن مجاہدین محاذ پر

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں تھا

# دورۂ ترجمۂ قرآن کے شرکاء کے تأثرات

## "انجینئر فاروقی نے ڈاکٹر صاحب کے شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا"

**دورۂ ترجمہ قرآن نے میری زندگی کا رخ موڑ دیا' میرے من میں پلنے والے گمراہ کن نظریات کی بیخ کنی کی ہے**

"ندائے خلافت" کے گزشتہ شمارے میں ہم نے ملک کے دوسرے شہروں میں منعقد ہونے والے دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگراموں کی ایک جزوی سی جھلک پیش کی تھی نیز قرآن اکیڈمی لاہور کی مسجد جامع القرآن کے مرکزی پروگرام کا مختصر سا تعارف پیش کیا تھا' جس کی ذمہ داری امیر تنظیم اسلام ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے شاگردِ خاص انجینئر مختار حسین فاروقی بحسن و خوبی نبھا رہے ہیں۔ امیرِ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے یک و تنہا جس قرآنی تحریک کا آغاز ربع صدی بیشتر کیا تھا واقعتاً اس وقت وہ تحریک اندرونِ ملک کے علاوہ جغرافیائی سرحدوں کی پابندیوں کو عبور کر کے یورپ اور عرب ممالک میں بھی بڑی تیزی سے فروغ پا رہی ہے۔ دورۂ ہائے ترجمۂ قرآن کے پروگراموں کو اس تحریک میں اہم سنگ ہائے میل قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس وقت امیر محترم مدظلہ نے دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام کو رمضان المبارک کی سعید راتوں اور نمازِ تراویح کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا تھا' اس وقت تک ہماری دانست کے مطابق اس نوعیت کا پروگرام کہیں اور متعارف نہیں تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کے اس پروگرام کا اس قدر شہرہ اور پذیرائی ہوئی کہ بعد میں کچھ دوسرے حضرات نے بھی اس نوعیت کے پروگرام شروع کئے۔ بہرحال اب تنظیم اسلامی کے حلقوں میں ان پروگراموں کا عام رواج ہو گیا ہے۔

گزشتہ شمارے میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ بیشتر مقامات پر یہ پروگرام امیر محترم کے دورۂ ترجمۂ قرآن کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ کی مدد سے کئے جا رہے ہیں۔ گویا آڈیو اور ویڈیو کے ذریعے بھی یہ تحریک آگے بڑھ رہی ہے۔ ان کیسٹ کے علاوہ امیر محترم مدظلہ نے قرآن اکیڈمی (بلکہ اب اکیڈمیوں) کے ایک سالہ اور دو سالہ "رجوع الی القرآن کورسز" کے ذریعے ایسے نوجوانوں کی ایک ٹیم بھی تیار کر لی ہے جو اس تحریکِ قرآنی کو آگے بڑھا سکیں۔ محترم انجینئر مختار حسین فاروقی کو اس ٹیم کے "کپتان" یا سینئر ترین رفیق کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے عربی زبان اور قرآن فہمی کی بنیادی تعلیم غالباً ۶۷ء میں براہِ راست امیر محترم مدظلہ سے حاصل کی تھی' جس وقت وہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ امیر محترم کی ذات سے سب سے زیادہ علمی اکتساب محترم فاروقی صاحب نے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امیر محترم کی طرح بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ قرآن حکیم کے مفاہیم کو آشکارا کرتے ہیں۔ محترم فاروقی صاحب گزشتہ تین سال سے قرآن اکیڈمی ملتان میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ امسال وہ اہل لاہور کو علومِ قرآنی سے فیضیاب کر رہے ہیں۔

جامع القرآن قرآن اکیڈمی کے اس مرکزی دورۂ ترجمۂ قرآن کو اس سال بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ لاہور اور بیرون لاہور سے بہت سے احباب نے اس پروگرام سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس وقت رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا ہے اور جامع القرآن کے اس پروگرام کی رونق میں بلاشبہ دوگنا اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم نے دورۂ ترجمۂ قرآن کے اس پروگرام کے شرکاء میں سے چند ایک سے "ندائے خلافت" کے لئے تأثرات حاصل کئے ہیں جو قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

**محمد رشید ارشد' لاہور :** امسال دورۂ ترجمۂ قرآن میں شرکت کا موقع ملا۔ اس سے پہلے بھی جز وقتی شرکت کرتا رہا ہوں لیکن اس مرتبہ جم کر توجہ سے سنا تو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اب تک کتنی محرومی رہی تھی یعنی قرآن کے مفاہیم سے ناآشنائی تھی۔ احساس کی ایک وجہ تو یقیناً محترم فاروقی صاحب کے بیان کی دلنشینی تھی کہ واقعتاً انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور گویا حق ادا کر دیا لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ایک سالہ کورس میں شرکت کی وجہ سے عربی زبان کی کچھ شدبد حاصل ہو گئی ہے چنانچہ جب عربی زبان سیکھنے کے بعد پورے قرآن سے گزرے تو وہی احساس واقعی طاری ہوا جو علامہ کے اس مصرعہ میں ہے کہ "ایں کتابے نیست چیزے دیگر است"۔ کوئی صورت ممکن ہو تو اس قسم کے پروگرام عام کئے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن کے اعجاز سے مستفید ہو سکیں' خاص طور پر آج کل کے نوجوان جو کسی فکری احساس کے نہ ہونے کی وجہ سے گم کردہ راہ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید کو اپنا امام بنایا جائے کہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق اب اسی قرآن سے تمسک کے نتیجے میں قوموں کو عروج ملے گا اور اسی کو پس پشت ڈالنے کے نتیجے میں ذلت و رسوائی مقدر ہو جائے گی' چنانچہ آج کل پوری امت مسلمہ کا حال بنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کے حقیقی فہم کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

**طاہر ربانی شاہ :** دورۂ ترجمۂ قرآن کی ان مجالس میں مجھے اس سال شرکت کا پہلی دفعہ موقع ملا اور

میرے خیال میں کسی بھی مسلمان کے تاثرات ایسے کسی بھی روح پرور پروگرام کے متعلق انتہائی مسرت اور اللہ کے حضور تشکر پر ہی مشتمل ہو سکتے ہیں۔ آج کے دور کے ہر مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ وہ خود اس نور ہدایت سے بیگانہ اور غافل ہو چکا ہے جسے اس کو اپنی زندگی کے علاوہ دوسروں کی زندگی کا بھی چراغ بنانے کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ آج جبکہ مغرب میں لوگ دوبارہ مذہب کی طرف لوٹ رہے ہیں اور مادہ پرستی کا سراب اپنی حقیقت آشکارا کر چکا ہے' ہم مسلمان اس کے ان تجربے سے سبق سیکھنے کی بجائے خود انہی کی غلطیوں کو قابل تقلید سمجھ رہے ہیں۔ مغرب نے وحی اور مذہب کے انکار سے ہدایت کے چراغ کو گل کر دیا اور ہم نے اس کی موجودگی کو اپنی آنکھیں بند کر کے غیر موجودگی کے برابر کر دیا ہے۔ آج ہمارے دلوں میں قرآن کا جس قدر رسمی احترام موجود ہے اسی قدر قرآنی تعلیمات سے حقیقی آگاہی اور ان پر واقعی عمل کرنے کی کوشش مفقود ہے۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے اہتمام سے لوگوں کو قرآنی تعلیمات سے آگاہی ہوتی ہے اور انسان مطلوب کا صحیح نقشہ جو نگاہوں سے اوجھل ہے' سامنے آ جاتا ہے۔

مختار حسین فاروقی صاحب نے جس خوبصورتی اور تن دہی سے قرآن کو عام فہم اور سہل زبان میں پیش کیا' وہ قابل تحسین ہے۔ ان کی ذاتی خصوصیات کے علاوہ ان کے انداز بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کا رنگ بھی موجو ہے اور یوں ان کا دو آتشہ اندازِ تقریر سامعین کو مسحور کئے رکھتا ہے۔ مسلسل پانچ چھ گھنٹے تک اس ذمہ داری کی ادائیگی جس قدر کٹھن ہوتی ہے اس کا اندازہ ہر انسان باآسانی کر سکتا ہے لیکن فاروقی صاحب نے اپنی تمام توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس ذمہ داری کو بڑے ہی احسن طریقے سے انجام دیا ہے۔ دعا ہے کہ خدا انہیں اس خدمتِ قرآن پر دنیا و آخرت میں اجر عطا فرمائے! آمین!

آج کے دور میں قرآن مجید کی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچانے اور انہیں عمل پر آمادہ کرنے کے لئے جس کوشش کی ضرورت ہے' دورۂ ترجمۂ قرآن اس کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ان مساعی میں اپنے فضل سے مزید اضافہ فرمائے اور برکت ڈالے' اس بار کے شرکاء کو خصوصی طور پر اور مسلمانانِ عالم کو عمومی طور پر قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں! آمین!

---

**جناب الطاف توفیق** : (جناب الطاف توفیق امریکہ سے حصولِ علم کی خاطر ایک سال کے لئے پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ وہ معاشیات میں اعلیٰ تعلیمی ڈگری کے حامل ہیں۔ آج کل قرآن کالج میں ایک سالہ "رجوع الی القرآن کورس" کی تکمیل کر رہے ہیں)

میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا بھرپور' مصروف اور نتیجہ خیز رمضان گزارا ہے۔ یہ نتیجہ خیزی دو اعتبارات سے ہے' ایک علمی اور دوسرے روحانی' ہر دو اعتبارات سے دورۂ ترجمۂ قرآن کا یہ پروگرام انتہائی معاون رہا۔ چار رکعت میں قرآن کریم کا جو حصہ پڑھا جاتا ہوتا ہے پہلے اس حصے میں موجود علوم و معارف کے بڑے بڑے خزانے ترجمۂ قرآن اور مختصر تفسیر کے ذریعے سامنے آتے ہیں جبکہ نمازِ تراویح میں کھڑے ہو کر اسی حصے کی تلاوت روح کے تغذیہ کا باعث بنتی ہے۔ اس پروگرام سے استفادہ کرنے کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں نے بنیادی عربی گرائمر سے کسی قدر واقفیت بہم پہنچالی ہے' جو دورۂ ترجمۂ قرآن میں میری معاونت کر رہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے اس پروگرام کے دوران عربی قواعد کے انطباق نے اس افادیت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔

محترم فاروقی صاحب ترجمہ کے ساتھ ساتھ مختصر تفسیر بھی بیان کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اس میں ان کی ذاتی رائے اور مطالعہ کردہ تفاسیر کا نچوڑ ہوتا ہے۔ ان کے اس علمی انداز میں میرے لئے خاص بات یہ ہے کہ اگر ان کی کسی رائے سے اتفاق نہ بھی کیا جاسکے تب بھی ان کی علمی تحقیق ہمیں مزید غور و فکر اور مطالعہ پر مجبور کرتی ہے۔ گویا اس پروگرام میں ہمیں حصول علم کی ترغیب بھی مل رہی ہے اور علوم قرآنی کے افشاء کا جذبہ بھی موجزن ہو رہا ہے۔ اس تجربہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہر مسلمان کو کم از کم زندگی میں ایک رمضان اس نوعیت کا ضرور گزارنا چاہئے۔ آخر میں فاروقی صاحب کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی طرح صبر و استقامت اور اعتماد و وثوق کے ساتھ اس کام کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔

---

**مصطفیٰ رمضان' وہاڑی** : ماہ صیام اپنی تمام تر رحمتوں اور برکتوں کو لئے ہوئے اختتام کی طرف رواں دواں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اس کی رحمتوں اور برکتوں سے اپنے دامن بھرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے کیونکہ اس کے اندر عالم امر اور عالم خلق دونوں پنہاں ہیں۔ ہمارے مادی جسم کا تعلق عالم خلق سے ہے' جس کی ضروریات ہم زمین سے پوری کرتے ہیں جبکہ ہمارے روحانی وجود کا تعلق عالم امر سے ہے لہٰذا اس کی غذا بھی عالم بالا سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کا تعلق بھی عالم امر سے لہٰذا روح کی غذا کے لئے قرآن کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ بقول اقبال۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

میری ذاتی زندگی میں اس سے قبل کئی رمضان المبارک گزر چکے ہیں مگر یہ رمضان المبارک میرے لئے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ نزول کتاب کے اس ماہ مبارک میں' دین اسلام کی حقیقتوں سے آگہی حاصل ہوئی۔ دورۂ ترجمۂ القرآن کے اس پروگرام نے میری زندگی کی ترجیحات کے تعین میں انقلاب آفریں کردار ادا کیا ہے۔ زندگی میں ترجیحات کے تعین کا یہ انقلاب اللہ کی توفیق سے ہی برپا ہوا ہے تاہم ایک مرد مومن جو کہ قرآن کے مفاہیم کو اس انداز اور اعتماد سے بیان کرتا ہے کہ قرآن کی تصریف آیات کا حق ادا کر دیتا ہے' میری مراد جناب انجینئر مختار حسین فاروقی ہیں' کے درد دل اور خلوص کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بقو اقبال "دل سے جو بات نکلتی ہے' اثر رکھتی ہے"

میں اس سے قبل بھی قرآن اکیڈمی ملتان میں منعقدہ ۳۰ روزہ قرآنی ورکشاپ میں ان سے فیض یاب ہو چکا ہوں۔ آخر میں یہ بات عرض کروں گا کہ یہ بات انتہائی اطمینان بخش ہے کہ فاروقی صاحب کو سننے والے امیرِ محترم مدظلہ کی عدم موجودگی کا اتنا شدید احساس نہیں رکھتے جس کا اندیشہ کیا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور محترم فاروقی صاحب کے لئے دعا گو ہوں کہ وہ تعالیٰ انہیں علوم قرآنی کے افشاء کی توفیق مزید اور ہمت عطا فرمائے۔

---

**ریاض اسماعیل' لاہور** : رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں قرآن کے ساتھ قیام اللیل کا جو آغاز دس گیارہ سال قبل امیرِ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے کیا تھا' رفتہ رفتہ وہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کے گوشے گوشے سے خبریں

آ رہی ہیں کہ دورۂ ترجمۂ قرآن پورے ذوق و شوق کے ساتھ کئی مقامات پر جاری ہے۔ بیک وقت شروع ہونے والی تراجم کی ان محفلوں میں مرکزی حیثیت آج بھی قرآن اکیڈمی لاہور کو ہی حاصل ہے۔ گویا جہاں سے اس روح پرور پروگرام کا آغاز آج سے گیارہ سال قبل ہوا تھا' آج بھی پاکستان میں سب سے بڑا اجتماع اسی جگہ ہو رہا ہے۔ اس بار دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت ڈاکٹر صاحب کے شاگرد رشید اور حلقہ جنوبی پنجاب کے ناظم انجینئر مختار حسین فاروقی حاصل کر رہے ہیں۔

فاروقی صاحب تنظیم اسلامی کی "فرنٹ لائن" کے وہ مجاہد ہیں جو جملہ تربیتی مراحل طے کرنے کے بعد دعوتی و تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ جونیئر ساتھیوں کی تربیت کے بھی ذمہ دار ہیں۔ ترجمہ کے دوران ان کا زور بیان اور طرز استدلال اس قدر جامع اور پرکشش ہے کہ راقم نے کئی احباب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ موصوف ہو بہو ڈاکٹر صاحب کی تصویر ہیں۔ مسلسل پانچ چھ گھنٹے کی نشست میں شروع سے آخر تک ایک ہی رفتار برقرار رکھنا اور روانی اس قدر کہ رات کے آخری حصہ میں بھی یوں لگتا ہے کہ جیسے فاروقی صاحب ابھی ابھی تازہ دم ہو کر بیٹھے ہیں۔ ترجمے سے مستفید ہونے والے احباب جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے کو ہمہ وقت ترجمہ کی دلکشی اور اثر آفرینی کا اسیر بنائے رکھتے ہیں۔ گویا یہ قرآن کی وہ قوت تسخیر ہے کہ جو اس کو اپنا امام بناتا ہے' یہ اسے اپنے ساتھ پیوست کر لیتا ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اس ملک گیر تحریک کو اللہ تعالیٰ نے جو کامیابی عطا فرمائی ہے' وہ اسی کا کرم ہے کہ شمع توحید کے ہزاروں پروانے قرآنی علوم کی طرف راغب ہیں۔ اب جبکہ رمضان کا آخری عشرہ بھی شروع ہو چکا ہے اور قرآن اکیڈمی میں اعتکاف کی غرض سے ملک کے کئی علاقوں سے آنے والے افراد بھی اس دورۂ ترجمۂ قرآن میں شامل ہو چکے ہیں تو نور ایمان اور علوم قرآنی کی بارش کا یہ روح پرور منظر جو قرآن اکیڈمی میں جاری ہے' اس کی لذت کو قریب سے دیکھ کر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ رفقاء تنظیم اسلامی اور دیگر وابستگان کا یہ عزم کہ ان کے نزدیک انفرادی سطح پر رضائے الٰہی کا حصول اور نجات اخروی ہے جبکہ اجتماعی سطح پر اقامت دین اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ان اہداف کے حصول کے لئے قرآن کے ساتھ قیام اللیل کا یہ پروگرام روح کی غذا کی حیثیت رکھتا ہے' جس سے ہزاروں لوگ ملک بھر میں اپنے دلوں کو شمشیر قرآنی سے مسلح کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب مستقبل کا مورخ ہاتھ میں قلم اٹھائے یہ سوچ رہا ہو گا کہ اقبال نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو جو امید جان فزا دی تھی' اس کی عملی صورت کے حصول کے لئے کون لوگ سامنے آئے۔ بقول اقبال "یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے" کے مصداق تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک اب ایک تن آور درخت بن چکی ہے۔ گویا نظری سطح پر اب یہ چمن نغمۂ توحید سے معمور ہونے کو ہے' اللہ ہمیں توفیق دے کہ نور توحید کا اتمام نظام عدل اجتماعی کے قیام کی شکل میں بھی ہمارے ہاتھوں ہو جائے۔

آخر میں تراویح کے دوران ان دو حافظ صاحبان کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہو گی کہ جن کی قرأت اور خوش الحانی سننے والوں کے دلوں پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ یہ دونوں صاحبان یقیناً تعریف و تحسین کے مستحق ہیں۔

---

**عبدالمتین مجاہد** : اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایک بار پھر ہماری زندگیوں میں رمضان المبارک کی سعید ساعتیں نصیب فرمائی ہیں۔ اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ اللہ کے کچھ بندے اس مادی دور میں جبکہ ہر شخص حصول دنیا میں جتا ہوا ہے' فکر آخرت سے سرشار ہو کر اپنے اللہ کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں اور اس کے پیغام کو عام کرنے میں کوشاں ہیں۔

قرآن حکیم کے ساتھ محض روحانی تعلق بھی اہمیت اور فائدے سے خالی نہیں ہے لیکن اصل اہمیت تو اس کی افہام و تفہیم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے کمزور انسان کو بھی توفیق دی ہے کہ وہ رمضان کی راتیں قرآن اور صلوٰۃ تراویح کے ساتھ بسر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت دوسری بار عطا فرمائی ہے کہ میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام میں شریک رہا۔ دونوں بار یہ موقع اللہ نے پاکستان کے دل شہر لاہور میں قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں نصیب فرمایا ہے۔ محترم انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب نے جس خوبصورت اور واضح انداز کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری نبھائی ہے' اس کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ قرآن حکیم کے بعض مقامات کی تشریح کا جس طرح فاروقی صاحب نے حق ادا کیا ہے' اس انداز میں اس سے قبل میرے سامنے یہ حقائق نہیں آئے تھے۔ ماشاء اللہ وہ عہد حاضر کے انسان کی فکر اور مسائل سے قریب ہو کر قرآن حکیم کی تشریح فرماتے ہیں۔

میرا عملی تعلق تنظیم اسلامی سے نہیں ہے' تاہم یہ حقیقت مجھ پر واضح ہے کہ ماہ صیام کی اصل عبادت تو یہ ہے جو محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے متعارف کرائی ہے۔ ان کے رفقاء واقعی مبارک باد کے قابل ہیں کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور راتیں قرآن کے اسرار و رموز سمجھنے سمجھانے میں بسر کرتے ہیں۔ واقعتاً محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے رفقاء کا قرآن کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کر دیا ہے۔

محترم فاروقی صاحب کی ہمت کو داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے مہینہ بھر پانچ چھ گھنٹے کا بھاری بھرکم پروگرام کس احسن انداز میں نبھایا ہے۔ یہاں یہ بات ضمناً عرض کر رہا ہوں کہ محترم فاروقی صاحب تو ماشاء اللہ جوان ہیں اور ابھی جسم و جان کی بیشتر توانائیاں محفوظ ہیں' چونکہ گزشتہ رمضان المبارک میں راقم کو محترم ڈاکٹر صاحب کے دورۂ ترجمۂ قرآن میں بھی شرکت کا موقع ملا ہے لہٰذا قابل رشک بات تو یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب اپنی پیرانہ سالی اور صحت کی عدم موافقت کے باوجود سالہا سال سے یہ بھاری بھرکم پروگرام نبھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ مجھ جیسے ناکارہ کی عمر اور صحت بھی محترم ڈاکٹر صاحب کو لگ جائے۔ آمین!

---

**افتخار احمد' مظفر آباد** : رمضان رحمتوں' برکتوں اور مغفرت کا مہینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی کے مطابق' جس نے رمضان کے روزے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ رکھے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے' اور جو رمضان کی راتوں میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی تمام سابقہ خطائیں معاف کر دی گئیں۔ دن کے روزے کا اہتمام انفرادی سطح پر ممکن ہے لیکن راتوں کو قرآن کے ساتھ کھڑا ہونا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہے۔ شاید صلوٰۃ تراویح کا باجماعت اہتمام اسی حکمت کے پیش نظر ہو۔ یہ بات تو ہر شخص کے مشاہدے کی ہے کہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم جس برق رفتاری کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس سے نزول قرآن کا مقصود یعنی انسانیت کی رہنمائی و ہدایت

حاصل نہیں ہو پاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کو اس انداز میں پڑھنا بھی قرآن کی توہین ہے' جس کا ارتکاب قراء کی اکثریت سے ہو رہا ہے۔

قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن کا دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام اس اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہے کہ اس سے "تذکر بالقرآن" تو ہر ذہنی سطح کے شخص کے لئے ہو جاتا ہے' رہا معاملہ گہرے علمی مضامین کا تو اہل علم و فکر کے لئے اختصار کے ساتھ اس کا اہتمام بھی محترم فاروقی صاحب کرتے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر دورۂ ترجمۂ قرآن کے ذریعے اپنے من میں پلنے اور بڑھنے والے گمراہ کن افکار و نظریات کی بیخ کنی کا موقع ملا ہے۔ اس کے علاوہ دورۂ ترجمہ کے پروگرام کے دوران اس بات پر شدید ندامت اور احساس محرومی بھی ہوا کہ قرآن حکیم جیسی ہمہ جہت اور مرقع علم و ہدایت کتاب ہمارے پاس موجود رہی اور ہم نے اب تک اس سے بے اعتنائی برتی۔ بہرحال اب تلافی مافات اسی میں ہے کہ اپنی آئندہ زندگی کو اس قرآن کے سیکھنے اور سکھانے میں کھپایا جائے۔ آخر میں محترم فاروقی صاحب کے انداز بیان اور ہمت کی داد نہ دینا زیادتی ہو گی۔ دعاگو ہوں کہ "اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ"

---

**طاہر مختار بٹ' لاہور** : آج سے تقریباً گیارہ سال پہلے جب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے قرآن کے ساتھ قیام اللیل کا پروگرام متعارف کرایا تھا تو اہل لاہور کے لئے یہ ایک بالکل نئی بات تھی۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے تمام مکاتب فکر کے لوگ اس میں شامل ہوئے اور قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن میں رمضان المبارک کی راتوں کو ایک عجیب قرآنی و روحانی سماں بندھ جایا کرتا تھا۔ الحمدللہ جس کام کا آغاز ایک فرد نے کیا تھا اب وہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

وہ شخص جس نے اپنی زندگی کی بہترین و بیشتر صلاحیتیں قرآن کے سمجھنے اور سمجھانے میں کھپائیں' وہ جب ماہ رمضان کی راتوں میں مفاہیم قرآن کا دریا بہاتا تو بہت سے پیاسے اس سے اپنی علمی و روحانی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مادی دور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام ایسے ہی ہے جیسے صحرا میں چشمہ پھوٹ پڑے اور لوگ اس کے گرد زندگی کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے اس پروگرام سے بے شمار لوگوں کا تعلق قرآن کے ساتھ مضبوط ہوا ہے۔ جو لوگ اقامتِ دین کی جدوجہد سے وابستہ ہیں' ان کے لئے یہ سالانہ ریفریشر کورس ہے تاکہ وہ اپنے ٹارگٹ کے حصول کے لئے اپنے قدم تیز کریں' اور اس راستے میں آنے والے مصائب و شدائد کا شعور حاصل کریں۔

سلمان بن مہران الاعمش کوفیؒ نے اپنے استاد عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم میں سے کوئی دس آیتوں سے زیادہ اس وقت تک نہیں پڑھتا تھا' جب تک کہ ان آیتوں کے معنی کی معرفت نہ حاصل کر لے اور ان پر عمل میں بھی پختہ نہ ہو جائے" جو لوگ محض دورۂ قرآن کر رہے ہیں' ان کے لئے دورۂ ترجمۂ قرآن کی یہ روایت بہت ہی معنی خیز بھی ہے اور اپنے اندر ایک دعوت اور پیغام بھی رکھتی ہے۔

---

**انجینئر عمران اجمل' لاہور** : اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے رمضان المبارک میں محترم فاروقی صاحب کی زبانی دورۂ ترجمۂ قرآن سننے کا موقع ملا ہے اور بہت لطف آیا ہے۔ محترم فاروقی صاحب چونکہ دوسرے علمائے دین کی طرح محض دینی علم سے ہی واقفیت نہیں رکھتے بلکہ اعلیٰ دنیاوی تعلیم بھی حاصل کر چکے ہیں اور اپنی پیشہ ورانہ تعلیم کے اعتبار سے بھی کافی عملی تجربہ رکھتے ہیں لہٰذا وہ دینی حقائق کو بعض ایسی عملی مثالوں سے واضح کرتے ہیں' جن سے عام دنیادار انسان کا آئے دن واسطہ پڑتا ہے' اس طرح قرآن حکیم کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔

راقم کو پاکستان انسٹیٹیوٹ آف مینجمنٹ (P.I.M) میں اپنے بعض پیشہ ورانہ کورسز میں شمولیت کا موقع ملا ہے۔ ہمارے کورسز ڈائریکٹر کورسز کے اختتام پر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص محض دس فی صد استفادہ بھی کرے تو کافی ہوتا ہے۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام کو اگر ہم اس نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اگر ایک شخص نے صرف دس فیصد بھی سمجھ لیا ہو اور دل پر اثر ہوا ہو تو ایک اچھا مسلمان بننے کے لئے کافی ہو گا۔ اسی لئے اللہ کی طرف سے قرآن پاک کو بار بار پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ انسان ہر بار پڑھنے سے کوئی نئی بات سمجھے اور اس کا دل اثر قبول کرتے ہوئے اس پر عمل کرے' اس لئے کہ ہمارے قلوب پر جو گرد و غبار مسلسل پڑتا رہتا ہے' وہ قرآن کے ساتھ مستقل تعلق سے ہی اتر سکتا ہے۔

یہاں ایک بات کی طرف محض توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے بعض شرکاء نے قرآن کے ظاہری ادب پر کچھ زیادہ زور دیا اور شرکاء پر اعتراض کیا کہ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے۔ دراصل ہماری اس ظاہر پرستانہ ذہنیت نے ہمیں دینی حقائق سے کوسوں دور کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کے سمجھنے سمجھانے کی اس طرح کی محفلوں میں اس طرح کا ظاہری ادب اس درجے میں نہ ہی ممکن ہے نہ مطلوب۔ غالباً اسی قسم کے خیالات و عقائد ہیں جن کی وجہ سے قرآن کو سنہری غلاف پہنا کر ہم لوگوں نے اونچی جگہوں پر رکھ دیا ہے کہ کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری اکثریت کا حال یہ ہے کہ قرآن پڑھنا تو دور کی بات دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔

آخر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ فاروقی صاحب نے واقعتاً ڈاکٹر صاحب محترم کا شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے کہ ویسا ہی زور بیان ہے اور اسی طرح کا Stamina بھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

**نوید احمد عباسی' مری** : اللہ تعالیٰ نے اس سال دورۂ ترجمۂ قرآن کے اس بابرکت' روحانی اور علمی پروگرام میں شرکت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ میرے نزدیک اس پروگرام کے بہت سے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ ایک ماہ میں قرآن حکیم کے تمام موضوعات نظر سے گزر جاتے ہیں۔ عموماً انفرادی طور پر اور تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف وقفوں میں ترجمہ و تفاسیر پڑھتے وقت ایک وقت میں کوئی ایک موضوع ہی سامنے آتا ہے یا اس کا بھی محض ایک پہلو لہٰذا بعض دفعہ کسی غلط رائے کے بننے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ترجمۂ قرآن کے پروگرام میں "تصریف آیات" کے ذریعے ایک موضوع کے تمام گوشے نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے اس پروگرام کی اہمیت کا انداز مجھے اس سے پہلے نہ تھا۔

محترم فاروقی صاحب کی بعض آراء سے اختلاف کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ خصوصاً بعض حقائق قرآنی کی سائنسی توجیہات محل نظر ہیں' جیسے تخلیق آدم' آدم و حوا کو کس جنت میں رکھا گیا' تخلیق کائنات کی مدت' دوزخ کا اس زمین پر قائم ہونا وغیرہ۔ اس طرح اس پروگرام کے مستقل شرکاء پر بعض

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

# فری میسن تحریک : دو چار برس کی بات نہیں

## صیہونیت کی آلۂ کار یہ تنظیم سینکڑوں اداروں کی ماں ہے

**فقہ اکیڈمی دہلی میں ایک محقق جناب اسرار عالم کے چونکا دینے والے لیکچر سے ماخوذ --- قسط اول**

دنیا میں یہودیت کے لئے کام کرنے والی تنظیمیں اور ان کی آلہ کار تنظیمیں بے شمار ہیں جن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ظاہر ہے ان تمام تحریکوں' تنظیموں' اداروں اور حلقوں کا بالتفصیل ذکر تو درکنار سرسری ذکر بھی ایک نشست میں ممکن نہیں۔ لہٰذا تمام سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ایک تحریک کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان تمام میں سب سے زیادہ خفیہ' سب سے زیادہ موثر اور سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ تحریک ہے انٹرنیشنل فری میسنری یعنی بین الاقوامی فری میسن تحریک (International Free Masonary) انٹرنیشنل فری میسنری سے مراد کوئی ایک تحریک یا تنظیم نہیں۔ اس نہج پر دنیا میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں تحریکیں' تنظیمیں اور حلقے قائم ہیں۔ عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں فری میسن تحریک' اٹھارہویں صدی کے آخری ایام میں باضابطہ طور پر قائم ہو چکی تھی۔ لیکن ایسا سمجھنا ایک غلطی ہو گی۔ اس سے مراد غالباً فری میسن تحریک کی تشکیل جدید ہے۔ اس تشکیل جدید کا نمایاں پہلو اس تحریک کا یا ان تحریکات کا کلیتاً مغربی طرز پر کام شروع کرنا ہے۔ ورنہ اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ یہ تحریک سولہویں صدی سے ہندوستان میں کام کرنے لگی تھی۔ لیکن اس تشکیل جدید کا یہ مطلب بھی نہیں لینا چاہئے کہ اس کے تمام حلقے مغربی طرز پر کام کرنے لگے۔ خالص مشرقی طرز کے کام کے حلقے بھی قائم رہے۔ اٹھارھویں صدی سے قبل اس کا طرز زیادہ تر مشرقی تھا اور اس کے ذہین افراد عموماً ایشیا اور بطور خاص ایران اور عراق کے یہودی تھے۔ ان میں اصفہانی اور بغدادی یہودی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کام کرنے کی زبان فارسی' عربی اور ترکی تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہو گا کہ ان دنوں ہندوستان میں اس تحریک یا ان تحریکات کی زمام کار اصلاً "سفردم" کے ہاتھوں میں تھی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں عالم اسلامی کے عظیم الشان مراکز قسطنطنیہ' قاہرہ' بغداد' تہران اور دلی تھے۔ ان میں دلی سارے مشرق کا مرکز توجہ تھی۔ چنانچہ ۱۷ویں صدی سے اس تحریک نے مشرق میں دلی کو اپنا مرکز بنایا اور اس سازش کے علمبردار اور کارکن جوق در جوق دلی کا رخ کرتے اور پورے ہندوستان میں اپنا جال پھیلاتے چلے گئے۔ سلطنت مغلیہ جو کبھی غیر معمولی ذہین اور بیدار مغز بادشاہوں کی سلطنت تھی رفتہ رفتہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ جب تک اس کے حکمران ذہین رہے یہ سازش بہت زیادہ کامیاب نہ ہو سکی لیکن کمزور حکمرانوں کے آتے ہی اور بعض دیگر وجوہات سے اس تحریک نے کلی نفوذ حاصل کر لیا۔

اس میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ عام طور پر اہل تشیع بوجہ ان کے آلہ کار ہو گئے اور بالآخر فری میسن تحریک سلطنت مغلیہ کے دو ستونوں یعنی اہل تشیع اور اہل تسنن کو آپس میں لڑانے میں کامیاب ہو گئی۔ ایسا شک خلاف واقعہ نہیں کہ بعض فری میسن یہودیوں بطور خاص کر غیزیائی' گرجستھانی' ارمنی اور اصفہانی یہودیوں نے خود کو شیعہ ظاہر کیا ہو اور شیعوں کے نام پر اپنے ہدف تک پہنچنے کی کوشش کی ہو۔

تحریک فری میسن کی ترقی اور نفوذ کا دوسرا بڑا سبب سلطنت مغلیہ کی حضرات صوفیاء کرام سے دوری ہے۔ صوفیاء کرام سے ابتدائی مملوک اور الباری ترکوں کو جو قربت حاصل تھی وہ سلطنت مغلیہ کے وقت موجود نہ رہی۔ بلاشبہ ان حالات میں ایسے اولوالعزم مشائخ پیدا ہوئے جنہوں نے باوجود رکاوٹوں اور ریشہ دوانیوں کے سلطنت مغلیہ یا ان کے صالح امراء سے ربط استوار رکھ کر اسلام دشمنوں کا سدباب کرنا چاہا۔ اسی طرح بعض حکمراں اور امراء ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ان مشائخ اسلام سے اسلام دشمنوں کا سدباب کرنے کے لئے ربط خاص رکھا۔

سترھویں' اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان میں اور بطور خاص دلی میں شیعوں اور سنیوں کے مابین جتنے معرکے بھی مذکور ہیں انہیں اسی نقطہ نظر سے از سر نو پرکھنے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اکبر کی بے دینی' عہد جہانگیری میں ایرانی شیعوں کا نفوذ' عہد عالمگیری میں شیعہ سنی کشمکش' مابعد کے مغلیہ حکمرانوں کے عہد میں دونوں کا بعد اور ٹکراؤ' مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت اور شاہ فخر الدین دہلوی پر قاتلانہ حملہ اسی سازش کی اہم کڑیاں ہیں۔ اسی کے ساتھ عہد اکبری میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی' عہد جہانگیری میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی' عہد شاہجہانی میں شاہ کلیم اللہ دہلوی' عہد عالمگیری و مابعد مغل میں تین اساطین حضرت مرزا مظہر جان جاناں شاہ فخر الدین اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آواخر اٹھارھویں صدی اور اوائل انیسویں صدی میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی کوششیں اسی امنڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کی جدوجہد تھیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دوسرے رخ پر اس وقت چلے جاتے ہیں اور کسی حد تک غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں جب ہم ان نزاعات کو کلیتاً اور صرف شیعہ سنی نزاع قرار دیتے ہیں۔

یہودیوں نے جہاں اہل تشیع میں نفوذ حاصل کر

کے بعد عام (Declassify) کر دی جاتی ہیں' خلاف معمول اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ وسطی ایشیا' افغانستان اور شمال مغربی ایشیا کی وہ فائلیں جو آغا خان سے متعلق ہیں مزید ایک سو پچاس سالوں تک عام (Declassify) نہ کی جائیں۔

یہاں ہندوستان کے تعلق سے یہ بات عرض کرنی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت اور برہمنیت صرف مزاجاً ہی یکساں نہیں بلکہ وہ سینکڑوں سالوں سے ایک دوسرے کے حلیف اور پشتیبان رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ان دونوں کے تحالف کا اندازہ واضح طریقے سے اٹھارھویں صدی میں ہو جاتا ہے۔ مشہور شاعر سرروبیندر ناتھ ٹھاکر (المعروف بہ ٹیگور) اور مہاتما گاندھی کے مراسم یہودیوں سے انتہائی درجے کے تھے اور مغرب میں ان کے پروجیکشن (Projection) میں سرتاسر یہودی تنظیمیں متحرک اور فعال رہی ہیں۔

جو حضرات یورپ کی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ اٹھارھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یورپ کی تمام حکومتوں پر یہودیوں کا غلبہ ہو چکا تھا' لیکن ان میں سلطنت برطانیہ کو وہ خصوصی مقام حاصل ہے جو کسی اور کو نہیں۔ ۱۹ ویں صدی میں مغرب کی ہر حکومت یہودی کاز کے لئے سرگرم عمل رہی۔

یہودیوں کی عالمی تحریک جسے ہم نے زنجری (Zinjry) کے نام سے موسوم کیا ہے کے طریقہ ہائے کار سے گفتگو کرنا چنداں آسان نہیں۔ ان کے یہاں سینکڑوں طریقے ایسے رائج ہیں جو اپنے اصول میں متبائن ہیں۔ فروعات کی کل تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔ ان سینکڑوں طریقوں کا مختصر تعارف بھی آسان نہیں۔ لہٰذا صرف ایک اصولی طریقہ کار کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

یہ اصولی طریقہ کار (Rationalisation) کہلاتا ہے جس کا مفہوم ہے معقلیت۔ ریشنلائزیشن وہ عمل ہے جس سے ان کے نزدیک ریشنلزم (Rationalism) کا قیام مقصود ہے۔ ریشنلزم (Rationalism) کا مفہوم ہے عقل کو مذہب میں آخری فیصلہ کرنے والا قرار دینا اور ان تمام نظریات کا رد کرنا جو عقل سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ریشنلائزیشن (Rationalism) کے تین فروع مشہور ہیں۔ یعنی تین ایسے طریقے' جو فروعات میں مختلف ہیں لیکن اصول کے اعتبار سے ایک یعنی عقل پر مبنی ہیں' کے استعمال سے معقلیت قائم کرنا۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں :

۱۔ سیکولرائزیشن (Secularisation)
۲۔ ڈیموکریٹائزیشن (Democratisation)
۳۔ کمرشیلائزیشن (Commercialisation)

گزشتہ پانچ سو سالوں سے یورپ میں ان مقاصد کے حصول کے لئے بلامبالغہ ہزاروں تحریکیں' تنظیمیں' حلقے اور زاویئے مختلف ناموں سے کام کر رہے ہیں۔

سیکولرائزیشن (Secularisation) سے مراد ہے انسان کے فکر و نظر معاملات' تہذیب و ثقافت اور تمدن کو عقیدہ اور دین سے منقطع کرنا یعنی اسے ریگولر (Regular) یعنی متشرع کے بجائے سیکولر (Secular) بنانا۔ یہ ایک وسیع و ہمہ جہت عمل کا نام ہے۔ سیکولرائزیشن کے لئے ہزاروں طریقے روبہ عمل لائے جاتے رہے ہیں۔ سیکولرائزیشن کا نصب العین حقیقی سیکولرازم قائم کرنا ہے جو ریشنلزم (Rationalism) کی لازمی شرط ہے۔

ڈیموکریٹائزیشن (Democratisation) کا مفہوم ہے نظم معاشرت کو اور بطور خاص سیاست مدنیہ کو عامی بنانا۔ اس کا مطلب نہ تو قطعاً آمریت کا خاتمہ کرنا ہے اور نہ عوام الناس کی رائے کا احترام کرنا بلکہ اس کا مطلب ہے۔ معاشرے کے ذہین صاحب علم اور ذمہ دار افراد یعنی اسلامی اصطلاح میں اہل الرائے اور اہل فتویٰ کو بے دخل کر کے ایک ایسی عامی' عوامی یا جمہوری تنظیم قائم کرنا جس کے پردے میں یہودی ساری دنیا میں اپنی آمریت قائم کر سکیں۔ ڈیمو کریٹائزیشن کا نصب العین ڈیموکریسی (Democracy) یعنی آج کل کی اصطلاح میں جمہوریت قائم کرنا ہے جو ریشنلزم (Rationalism) کی دوسری بنیادی شرط ہے۔

کمرشیلائزیشن (Commercialisation) کا مطلب ہے تمام انسانی زندگی اور اس زندگی کی تگ و دو کو مادیت میں محدود کر دینا اور تمام مادی اشیاء' خدمات' جذبات حتیٰ کہ فطری خواہشات کو خاص مادی پیمانے کے اعتبار سے قابل تبادلہ یعنی بیع و شراء کے دائرے میں لانا۔ اس کے تحت ہر چیز' خدمت' جذبہ اور فطرت مادی اشیاء کی طرح مال ہو جاتی ہیں اور قابل قیمت ٹھہرتی ہے لہٰذا قابل بیع و شراء ہو کر قابل تبادلہ ہو جاتی ہے۔ کمرشیلائزیشن کی انتہا یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شے' خدمت' جذبہ اور فطرت ایسی باقی نہ رہے جو مال کی طرح قیمت نہ رکھتی ہو اور قابل تبادلہ بصورت بیع و شراء نہ ہو۔ کمرشیلائزیشن کا ہدف ہے دنیا میں پائے جانے والے تمام مادی' غیر مادی اور انسانی وسائل بشمول حیاتیاتی و جماداتی وسائل پر یہودیوں کی اجارہ داری (Monopoly) قائم کرنا اور ساری دنیا کو اپنا غلام دائمی بنا لینا۔

کمرشیلائزیشن کے لئے ہزاروں طریقے روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ساری کارروائیاں' سلامتی کونسل کے فیصلے' اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیمیں مثلاً UNCTAD UNEP UNIDO FAO UNDP اور عالمی فنڈ IMF اور عالمی بینک WB کی کارروائیاں' دیگر بین الاقوامی ادارہ جات' اسلحوں کی تخفیف (N.P.T) کی کارروائیاں' خاندانی منصوبہ بندی کی کوششیں' ماحولیاتی تحریکیں' اسقاط حمل کو قانونی قرار دینا' سب کی سب کمرشیلائزیشن کی ذیلی شاخیں ہیں۔ حتیٰ کہ یوتھینزیا یعنی اپنی پسند سے اپنی موت کا فیصلہ کرنا اور میڈیکل سائنس کے وہ تمام تجربے اور ایجادات کی کوششیں جس میں انسانی جسم کی ہر چیز قابل استعمال اور قابل بیع و شراء ہو اسی کا حصہ ہے۔ چنانچہ فیملی پلاننگ' اسقاط حمل کو قانونی بنانا' یوتھینزیا (یعنی اپنی پسند سے موت)' Gene کے تجربات (جس کے تحت انسانی اعضاء مصنوعی طور پر تیار کرنے کے تجربات ہو رہے ہیں حتیٰ کہ مصنوعی جاندار بنانے کے تجربات ہو رہے) دراصل اس کمرشیلائزیشن کی انتہائی منزل پر پہنچنے کی کوشش ہے جہاں یہودی ایک عالمگیر طاقت کے اعتبار سے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ کتنے لوگوں کو زندہ رہنا چاہئے ساتھ ہی ساتھ ان کا منشا یہودیوں کے علاوہ آبادی کے سلسلے میں وہی ہے جو سامان اور آلہ جات کا ہے یعنی اگر کسی وقت خاص میں انسانی وسائل کی زیادہ ضرورت ہے تو اتنے انسان پیدا کر لئے جائیں اور جب ضرورت نہ ہو تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور مرغبانی کے مراکز (Poultry farms) میں جو تجربات ہو رہے ہیں (یعنی مثلاً وہ کسی دن ایک لاکھ چوزے نکالتے ہیں۔ اگر پچاس ہزار بک سکے تو بقیہ پچاس ہزار کو برقی چولھوں میں جلا ڈالتے ہیں اس لئے کہ پچاس ہزار کو ایک دن پالنا دوسرے دن نئے پچاس ہزار پیدا کرنے کے مقابلے میں مہنگا ہوتا ہے) اسی کمرشیلائزیشن کا حصہ ہے۔

کے ان کا استحصال کیا وہیں اہل تسنن حتیٰ کہ صوفیاء کرام کے بعض طبقات کو بھی آلہ کار بنانا چاہا۔ ان میں مشائخ بھی تھے' علماء دین بھی اور عامتہ المسلمین بھی۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مکتوبات کلیمی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے وصیت نامہ میں ان متصوفین کے چہرے کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں۔

ہندوستان میں فری میسن تحریک کی سب سے قد آور شخصیت سرسد کی ہے۔ سرسد نے چند ہی سالوں میں سلطنت مغلیہ کو ڈائنامائٹ کر دینے کی سازش کی تھی۔ لیکن حضرت عالمگیر کی نگاہ دور رس سے اور معاصر بیدار علماء و مشائخ کی فراست سے اس کا انسداد ہو گیا۔ حالات و واقعات یہ بتاتے ہیں کہ ۱۷۵۷ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک رونما ہونے والے واقعات میں جو سلطنت مغلیہ کے خاتمے پر منتج ہوئے ان کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے ایک ریفرنس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار کو اس طبقے کی سازشوں کا بخوبی علم تھا۔

اس سلسلے کی دوسری قد آور شخصیت نمود و انمود کی ہے جس نے عہد فرخ سیر میں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

ہندوستان میں علماء کرام کے درمیان براہ راست فری میسن تحریک کے متعلق استفہام و استفتاء انیسویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس وقت سے پہلے وہ ان سازشوں کو کسی اور جانب منسوب کرتے تھے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ ۱۸۵۷ء میں دلی میں جو علمی سرمایہ تباہ ہو گیا یا جنہیں انڈیا آفس لائبریری منتقل کر دیا گیا مشائخ اور علماء کے وہ ملفوظات جو سرد خانوں میں پڑے ہیں سامنے لائے جائیں تو ان سازشوں کا مزید علم ہو گا۔

فری میسن تحریک سرتاپا خفیہ تحریک ہے۔ اس کا اصل دائرہ کار اعلیٰ طبقات ہیں۔ بادشاہان' شہزادے' امراء (موجودہ جمہوری نظام میں صدر مملکت' وزیر اعظم' فوجی افسران) بڑی مذہبی شخصیتیں' بڑے تاجر اور صاحب اثر لوگ ان کے خاص ہدف ہوتے ہیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے حلقے ہوتے ہیں۔ ایک ہی شہر میں کئی حلقے ہو سکتے ہیں جسے لاج (Lodge) کہا جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ ایک لاج کے افراد اپنے تمام رفقاء سے واقف ہوں اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک لاج کے تمام افراد دیگر لاجوں کے افراد سے واقف ہوں۔ ماضی قریب میں وہ بڑے لوگ جن کے بارے میں متعین طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ فری میسن تحریک کے سرگرم کارکن تھے ان میں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا' ایران کے آخری شاہ رضا شاہ پہلوی' مصر کے صدر انور السادات اور ایران کے وزیر اعظم امیر عباس ہویدا اہم ہیں۔ جیسا کہ ماقبل عرض کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں چند تحریکیں اور تنظیمیں جو یا تو براہ راست یہودی تنظیمیں ہیں یا ان کے عمیل ہیں ان میں قادیانی' بہائی' دروزی' نصیری' حشی' ازارقہ اور ازارقہ جدیدہ اور اسماعیلی خاص ہیں۔ کمیونزم کے غلبہ پانے کی صورت میں کمیونسٹ پارٹی وہی کام کرتی رہی۔

قادیانیت کے سلسلے میں زیادہ عرض کرنا چنداں ضروری نہیں۔ تاہم تین باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر بطور خاص کیا جانا چاہئے۔

۱۔ ہندوستان میں بٹالہ کے نزدیک واقع قادیان اور پاکستان میں ربوہ کے بعد ان کا سب سے منظم مرکز اسرائیل کے شہر حیفا میں ہے۔ اس وقت بھی جب اسرائیل میں مسلمانوں کا رہنا دوبھر ہے قادیانیوں کو اسرائیل میں کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔

۲۔ کمیونسٹ روس میں جہاں کسی کا علانیہ مسلمان رہنا موت کو دعوت دینا تھا اور جہاں لینن سے لے کر برزنیف تک کروڑوں مسلمان شہید کئے گئے انقلاب روس سے اب تک قادیانیت کو کام کرنے کی پوری آزادی رہی۔

۳۔ جنگ خلیج کے بعد دنیا میں جو سیٹلائٹ چینل کا مواصلاتی انقلاب برپا ہوا ہے اور مواصلاتی ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے مغرب نے عالم اسلامی پر مواصلاتی یلغار کر دی ہے تاکہ ساری اسلامی دنیا کو مغربی ثقافت کے رنگ میں غرق کر دیا جائے۔ ایسی حالت میں ۱۹۹۲ء کے اواخر میں سب سے بڑی مراعات قادیانیت کو دی گئی تاکہ وہ وسطی ایشیا کے تمام ملکوں میں اپنے خیالات و عقائد مصنوعی سیارچوں کے ذریعے پھیلائے اور مسلمانوں کو اسلام کی طرف لوٹنے سے باز رکھ سکے۔

جہاں تک بہائیت کا تعلق ہے تو وہ گویا اہل تشیع کے قادیانی ہیں۔ سید علی محمد المعروف بہ باب (پیدائش ۱۸۱۸ عیسوی) سے لے کر بہاء اللہ (پیدائش ۱۸۱۷ء)' عبد البہا (پیدائش ۱۸۴۴ء) شوق ربانی (پیدائش ۱۸۹۷ء) تا اس وقت ان کی پوری تحریک اسلام کے انہدام کے لئے تھی۔ ان کا قبلہ جو مشرق الاذکار کہلاتا ہے اسرائیل میں کوہ کرمل میں واقع ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہائیت کے ابتدائی مویدین میں روسی یہودی نواز ادیب ٹالسٹائی اہم ہے اس کے دیگر مغربی مویدین میں ملکہ رومانیہ 'لیڈی مارتھا' بادشاہ ڈنمارک' شہزادہ اولگا' مارتھا روتھ' ڈوروتھی بیچر' امیلیا کیلنس' لواگیٹ سنگر' تھور بورن کروپر' لیڈی بلوم فیلڈ اور سارا فار مرجیسے مرد و خواتین رہے ہیں۔

اہل تشیع میں اسماعیلی سب سے آگے بڑھ کر ان کے عمیل اور مددگار ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے روابط حسن علی شاہ آغا خان اول کے زمانہ امارات میں ۱۸۳۴ء کے بعد از سر نو استوار ہوئے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب انہیں کرمان کی گورنری کا عہدہ چھوڑنا پڑا جہاں سے وہ محلات (اصفہان) چلے گئے۔ واضح ہو کہ اصفہان یہودیوں کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہودیوں کی وساطت سے حسن علی شاہ کو ہندوستان میں برطانوی عملداری میں پناہ ملی۔ یہ ۱۸۴۲ء کی بات ہے۔ ہندوستان میں جتنے کم عرصے میں آغا خان جیسے غیر ملکی کو عروج' مقبولیت اور رسوخ حاصل ہوا وہ شاید ہی کسی کو ہوا ہو گا۔ حسن علی شاہ کے بعد ان کے بیٹے علی شاہ (متوفی ۱۸۸۵ء) اور پھر ان کے بیٹے سر سلطان محمد آغا خان کو جیسا رسوخ حاصل رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سلطنت برطانیہ کی پوری وسطی ایشیا کی پالیسی آغا خان اول و دوم و سوم اور اب چہارم کے تعاون سے چلتی رہی ہے۔ شاید ہی کسی شخص کو اتنا نوازا گیا ہو۔ مثلاً سر سلطان محمد آغا خان (پیدائش ۱۸۷۷ء) کو ۱۸۹۸ء میں K.C.I.E' 1903ء میں C.C.I.E' 1911 میں G.C.S.I' 1923ء میں G.C.N.O کے خطابات دیئے گئے۔ کسی مذہبی شخصیت کو پہلی بار سلطنت برطانیہ نے فرسٹ کلاس چیف (First Class Chief) مع گیارہ توپوں کی سلامی سے نوازا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہ ۱۹۰۶ء میں ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے' اور ۱۹۳۰ء میں ہندوستانیوں کے تمام طبقات کی طرف سے متفقہ طور پر گول میز کانفرنس میں نمائندہ قرار پائے۔

مسلمانوں کی سادگی سمجھ میں آنے والی بات ہے' حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان کی نمائندگی پر نہ تو سلطنت برطانیہ کا اعتراض تھا نہ مہاتما گاندھی جیسی قد آور شخصیت کو۔ آغا خان کی خصوصی خدمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ برطانیہ کی وزارت خارجہ نے جس کی خفیہ فائلیں حسب روایت پچاس سالوں

# عمران خان ! مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

اقتدار احمد

آج پاکستان کی غیر سیاسی شخصیات میں سب سے زیادہ بحث و تکرار اور گفتگو کا موضوع بننے والا شخص عمران خان ہے جو "مردے از غیب" کی طرح نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے شہرت دوام اور قبول عام کے افق پر چھا گیا ہے۔ شہرت و مقبولیت جو اسے کرکٹ کے مایہ ناز کھلاڑی کے طور پر حاصل تھی اس کی کمیت و کیفیت بلکہ نوعیت میں بھی عمران خان کی قلب ماہیت کے بعد جو فرق واقع ہوا وہ صاف ظاہر ہے۔ کینسر ہسپتال کے عظیم الشان اور بیش بہا منصوبے کی تفاصیل اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کہانی اب بہت عام ہو چکی ہے' سوچنے کی بات یہ ہے کہ درپیش صورت حال میں اس ہسپتال کو چلانے کی ذمہ داری کا بوجھ کمر پر لادے ہوئے بھی وہ کوئی اور مہم سر کرنے کے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکے گا یا نہیں !۔ اور اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ کہ اس کا اگلا ہدف کیا ہونا چاہئے۔

کینسر ہسپتال قائم کرنے کا کٹھن مرحلہ طے کرنے کے بعد اسے چلانے کے مسئلے کا حل بظاہر آسان لگتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ سرطان کے ہر مریض کے لئے غربت و امارت کے امتیاز کے بغیر علاج کی یکساں سہولت فراہم کرنے اور غریبوں' ناداروں کے لئے اسے بالکل بلامعاوضہ رکھنے کا اعلان کر کے عمران خان نے ایک بہت بھاری پتھر کو چوما ہے جسے اٹھانا خالہ جی کا گھر نہیں کہ کینسر کا علاج مشکل اور طویل ہی نہیں' بہت مہنگا بھی ہے۔ انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے اس ہسپتال کی شہرت پھیلے گی ویسے ہی اس کی طرف رجوع کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی جائے گی جس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ جاری اخراجات کے لئے مستقل آمدنی کی مد میں جو رقم شوکت خانم میموریل ہسپتال کو درکار ہو گی اس میں دن دونا رات چوگنا اضافہ ہو گا اور پیش بندی کا تقاضا یہ بھی ہو گا کہ آمد کے تسلسل میں کسی وجہ سے واقع ہو جانے والے عارضی تعطل کے لئے خاصی ہی رقم محفوظ بھی رکھی جائے۔ گویا جو ہاتھی لاکھ میں پڑا ہے اس کے راتب کے لئے سوا لاکھ درکار ہیں جن کے لئے خواص و عوام کو ہی اپنی جیب کھلی رکھنی ہو گی' چاہے ادائیگی عطیات کی مد سے ہو یا زکوٰۃ و صدقات کے حساب میں۔ اور بدقسمتی سے ان خواص و عوام کا تعلق اس قوم سے ہے جس کی نفسیات میں ایک خاص طرح کی کجی رچ بس گئی ہے۔ یہ قوم مستقل مزاجی کے وصف سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ اس سے کوئی ہنگامہ کھڑا کر کے اور عامیانہ الفاظ میں کہا جائے تو ہلے گلے کے ذریعے تو بڑے سے بڑا کام بھی لیا جا سکتا ہے لیکن مستقل بنیادوں پر تسلسل کے ساتھ کسی چھوٹے کام کے لئے بھی توجہ' محنت اور ایثار طلب کیا جائے تو نتیجہ بہت حوصلہ شکن نکلتا ہے۔ اس کی درجنوں مثالیں امور دنیا سے بھی دی جا سکتی ہیں لیکن آیئے دین کے معاملے میں ہی اپنا طرز عمل دیکھیں جو ہمیں ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ امت کے نبض شناس علامہ اقبال نے ہم وطن مسلمانوں کی جو کیفیت آنکھوں دیکھ کر اپنے اس مشہور شعر میں بیان کی تھی کہ "مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے' من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا" اس کا مظاہرہ خود ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ناموس رسالت اور ختم نبوت کے نام پر سر ہتھیلی پر رکھ کر لاکھوں مسلمان کفن بردوش سڑکوں پر آ گئے اور گولیوں کے باڑھ کے سامنے نوجوانوں نے گریبان کھول کر اپنے سینے عریاں کر دیئے تھے لیکن ختم نبوت کے لازمی و منطقی تقاضے یعنی شہادت علی الناس کے فرض کی ادائیگی کے لئے کوئی اللہ کا بندہ اگر کھڑا ہو کر آواز لگائے کہ "من انصاری الی اللہ" کون ہے جو اللہ کے کام میں میرا مددگار بنے تو اس مسلمان معاشرے سے اسے وہی جواب میسر آتا ہے جو قبرستان میں کسی اذان دینے والے کو مل سکتا ہے۔ قومی مزاج کی اس ٹیڑھ میں کمی نہیں آ رہی' اضافہ ہو رہا ہے چونکہ حب دنیا اور کراہیت موت سے عبارت "وہن" کا پانی ہمارے اخلاق و کردار کی بنیادوں میں اب زیادہ تیزی سے مرنے لگا ہے۔

اللہ گواہ ہے کہ ان باتوں سے عمران خان کی حوصلہ شکنی مقصود نہیں۔ اس کے شعور کے پختگی اور فکر کے بلوغت کی طرف سفر کے جو سنگ ہائے میل سامنے آ رہے ہیں ان سے امید بندھتی ہے کہ وہ ان شاء اللہ انہی نوجوانوں کا سرخیل بنے گا جن سے اقبال کو محبت تھی اور جو ستاروں پر کمند ڈالتے ہیں لیکن واجب جان کر اسے یہ مشورہ ضرور دیا جا رہا ہے کہ

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

عمران خان کو تعلیم کے میدان میں اپنی مجوزہ تحریک کو ذرا موخر کرنا چاہئے۔ دریں اثنا اسے کینسر ہسپتال کی مستقل آمدنی کا تیل اور اس تیل کی دھار دیکھ کر یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ کہیں آگے دوڑ پیچھے چوڑ والا معاملہ تو نہیں ہو رہا۔ جو چمن اس نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے وہ "بارانی" علاقہ میں واقع ہے' نہروں سے سیراب ہونے والے رقبے میں نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ خشک سالی کا شکار ہو جائے۔ رہی عمران خان کے خارزار سیاست میں قدم رکھنے کی بات جس کی اسے ترغیب دینے والے بھی بہت ہیں اور اجتناب کی نصیحت کرنے والے بھی کم نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ جو سیاست پیش نظر ہے وہ ہے کون سی؟۔ کیا یہی مروجہ سیاست جو غلاظت کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی ہے!۔ کیا وہی ووٹوں کی تجارت جس کے سود و زیاں کے حساب میں استعمال ہونے والے سکہ رائج الوقت کی ریزگاری جھوٹ' فریب' جعلسازی اور بدعنوانی پر مشتمل ہے!۔ عمران خان اگر اپنے ان نظریات میں صادق القول ہے جو اس کے بیانات اور نگارشات میں پائے جاتے ہیں اور جنہیں اس نے خود تہذیب حاضر کے عذاب کو جھیلنے کے بعد شعوری طور پر اپنایا ہے تو وہ سیاست کے میدان میں تو ضرور آئے لیکن یہ سیاست ایسی معزز اور مبارک ہو جو اسوۂ نبوت کے شایان شان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ قول کے مطابق بنی اسرائیل کی سیاست ہمیشہ ان کے انبیاء کے ہاتھوں میں رہی جن کا تار اس سابقہ امت مسلمہ کے اپنے منصب جلیلہ سے معزولی تک کبھی ٹوٹا ہی نہ تھا۔

"دی نیوز" لاہور کو برائے اشاعت ایک خط ارسال کیا گیا تھا جسے قابل توجہ نہ سمجھا گیا لیکن قارئین "ندائے خلافت" اسے اپنے دل کی آواز پائیں گے --- ادارہ

# EVOKING A MUSLIM SENSIBILITY

Imran Khan in his latest write-up published in "The News" dated February, 10 has happily given a refreshing and spirited presentation of Islam. The reflections in the paper are addressed to aspects of European intellectual history and its philosophical foundations to which staunch Muslims with heart-felt convictions and faith must relate. Imran has approached the subject with his usual sensitivity toward the intellectual dimension, emphasizing the dynamics that have shaped the modern secular Western mind. Through his reading of Islam he is convinced that Islam offers a reconciliation of science and faith, of reason and revelation, of ethics and power which prompts a strong Islamically-motivated critical reflection on modernity-the matrix of a whole class of disciplines and praxis.

I congratulate heartily Imran on going beyond the cure for bodily cancer to the amelioration of spiritual cancer and malaise of Pakistan's body-politic. But I would like to submit that our entire society today has decayed and is rotten root, trunk and branch. Imran should not confine himself merely to reforms in education. Rather he should take in the right earnest a revolutionary course right from the revitalization of faith in Islamic verities to the conceptualization of socio-economic structures. Islam opposes vehemently the fact/value distinction currently in vogue in academic circles. Our physical and spiritual crisis is a logical outcome of the worship of senses and scientific fact and the divorce of values from knowledge. Modern rationalistic and pseudo-scientific interpretation of Islam, Imran very rightly points out, are quite alien to Islam itself and lack a direct link with the original prophetic mission.

I wish Imran Khan all success in his future ventures.

*Dr. Absar Ahmad*
Department of Philosophy
Punjab University Lahore

اس سیاست کا ہدف جو عمران خان کے سے حوصلہ مندوں کے کرنے کا کام ہے' حکومت میں کوئی چھوٹی بڑی کرسی حاصل کر لینا یا کرسیوں پر براجمان لوگوں کی ٹانگ کھینچنا نہیں بلکہ اس نظام کی تبدیلی ہونی چاہئے جس نے پورے معاشرے کو فساد اور بگاڑ میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے' جو دولت اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث ہولناک احتیاجات اور المناک محرومیوں کو جنم دیتا ہے۔ جاگیرداری و سرمایہ داری اس نظام کے وہ ستون ہیں جن کی ساری مضبوطی غریبوں کی ہڈیوں اور مسکینوں کے خون سے تیار شدہ مصالحے کی مرہون منت ہے۔ جس سیاست میں عمران خان کو اپنے جوہر دکھانے چاہئیں وہ ملک خداداد میں اسی نظام عدل اجتماعی کو برپا کرنے کی جدوجہد کا عنوان ہے جس کے قیام کی غرض سے پاکستان نام کا یہ آزاد وطن اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا اور رمضان المبارک ہی کی ایک ۲۷ ویں سعید شب دنیا کے نقشے پر ابھرا تھا۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ ہزاروں ہم وطن تو سرطان جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر کس مپرسی کے عالم میں ایڑیاں رگڑتے ہوئے لقمہ اجل بن جائیں اور اسی ملک کے گنتی کے چند "خوش نصیب" شہری کمر کے درد کے علاج کے لئے بھی ذاتی یا سرکاری خرچ پر یورپ اور امریکہ میں ہفتوں بلکہ مہینوں قیام کرتے ہوں؟۔ اس کا کیا جواز ہے کہ ایک حقیر اقلیت کے لاڈلوں کو تو بیرون ملک اور اندرون ملک بھی اعلیٰ ترین تعلیم کے مواقع میسر ہوں اور عظیم اکثریت کے بچے خاک بسر گلی کوچوں میں آوارہ پھریں یا پھر ایسے سکولوں میں دھکیل دیئے جائیں جانوروں کے باڑے جن سے بہتر ہوتے ہیں اور جہاں علم و فن کے سوا سبھی کچھ سکھایا جاتا ہے۔

پھر ذرا سوچئے کہ پاکستان کے بے کس عوام کو کینسر کے سوا بھی تو سینکڑوں بیماریوں نے گھیر رکھا ہے' آپ کس کس مرض کی مسیحائی کریں گے؟۔ ایک تعلیم ہی تو ان کا مسئلہ نہیں۔ وہ تو مسائل اور مشکلات کی فصلیں کاٹتے عمریں گزار دیتے ہیں۔ آپ ان کی کون کونسی ضرورت پوری کریں گے؟۔ ان کا کونسا مسئلہ حل طلب نہیں' زندگی کے کس پہلو میں وہ حاجت روائی کے منتظر نہیں !۔ آپ ان وسائل کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں جو غریبوں کی داد رسی کے لئے درکار ہیں جب کہ ملک و قوم کی دولت تو بے دریغ اللوں تللوں میں اڑائی جا رہی ہے اور کسی کی مجال نہیں جو قومی خزانے کو لوٹنے والوں کو ٹوک بھی سکے۔

سو عمران خان ! نالہ اگر اتنا خام نہیں رہا کہ اسے سینے میں تھامنے کی ضرورت محسوس ہو اور عشق آتش نمرود میں بے خطر کود پڑنے کو تیار ہے تو بسم اللہ' کچھ کر گزرنے کی آرزو حسرت کیوں بنے لیکن پھوڑے پھنسیوں پر مرہم کے پھاہے رکھنا کافی نہیں' خون کی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مکتوبِ کراچی

نجیب صدیقی

## کراچی کا بھی کوئی والی وارث ہے؟

# بعض مخصوص علاقے "را" کی نظروں میں کیوں نہیں آتے؟

## اِس شہر میں مظالم کی ایسی داستانیں پہلے کبھی رقم نہیں ہوئیں

**مُنگے شکار ہی کا شوق ہے تو جناب صدر کو تیتروں کا نہیں دہشت گردوں کا شکار کرنا چاہئے!**

کراچی عرصہ دو ڈھائی سال سے ظلم و بربریت کا شکار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے۔ یہاں وہ لوگ بستے ہیں کہ جن کی جان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اہل شہر اپنے نوجوانوں کے جنازے اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں۔ کاروباری حالات چوپٹ ہو چکے ہیں۔ ان حالات نے ذہنوں میں خوف و ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ مسجدیں بھی محفوظ نہیں رہی ہیں۔ اب تو نماز کے اوقات میں مسجدوں کے گیٹ بند کر دیئے جاتے ہیں' لوگ خوف کی وجہ سے مسجدوں میں جانے سے گریز کر رہے ہیں۔ حکومت کی بے حسی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ کوئی آہ و فغاں سننے والا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں صرف ایک ہی در رہ جاتا ہے کہ جہاں اپنی فریاد رجسٹر کرائی جا سکتی ہے۔ مقتولین کے ورثاء اللہ کی جناب میں اپنے مقدمات درج کرا رہے ہیں۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب "عظیم بھٹو" دور میں کچھ طلباء مولانا مودودی مرحوم کے پاس اپنی فریاد لے کر پہنچے اور اپنے پر ہونے والے تشدد کی روداد سنائی تو مولانا مرحوم اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے منہ سے یہ الفاظ جاری ہوئے کہ میں نے آج تک کسی شخص کے لئے بددعا نہیں کی ہے مگر اس شخص کے لئے بددعا کرتا ہوں۔

آج کے حالات اس سے کہیں آگے ہیں۔ آج کے ظلم کی اس سے کوئی نسبت نہیں۔ چوبیس گھنٹے میں تیس جنازے اٹھے ہیں' کئی درجن افراد زخموں سے چور ہسپتال میں پڑے سسک رہے ہیں۔ ذرا آپ تصور تو کیجئے کہ ان کے گھر والوں پر کیا قیامت بیت رہی ہو گی!! سینکڑوں خاندان اس سے متاثر ہوئے ہوں گے۔ کسی خاندان کا اکیلا کمانے والا کام آ گیا' کتنی خواتین بیوہ ہو گئیں' چھوٹے چھوٹے کتنے بچے یتیم ہو گئے۔ یہ خونی کھیل روزانہ جاری ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اس کی برکتوں کا ایک بڑا مظہر یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں عموماً ہر شخص مسجد کا رخ کرتا ہے۔ مسجد بھری ہوتی ہے' کچھ ایسا ہی منظر تھا' نمازی اپنے رب کے حضور سجدہ عبودیت ادا کر رہے تھے کہ اچانک گولیوں کی باڑھ نے آ لیا۔ چھ افراد وہیں دم دے گئے۔ ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی' مسجد کی صفیں خون سے بھر گئیں۔ دوسرا واقعہ سرکاری ہڑتال کے دن ہوا' جب "حرکتہ الانصار" نامی تنظیم ایک چوراہے پر کشمیر فنڈ جمع کر رہی تھی کہ اچانک گولیوں کی برسات ہوئی اور بارہ نوجوان وہیں ڈھیر ہو گئے' بہت سے زخمی ہوئے اور مارنے والے آرام سے چلے گئے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ قریب ہی چار مسلح پولیس والے موجود تھے جو گولیوں کی آواز سن کر بھاگ گئے' سنا ہے کہ سرکار نے آرام کرنے کے لئے جیل بھیج دیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ "را" کے ایجنٹوں کا کام ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ "را" کے ایجنٹوں کو کیا اس علاقہ میں تخریب کاری کے لئے متعین کیا گیا ہے جہاں کے لوگوں نے پی۔پی کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ وہ علاقے بھی تو ہیں جہاں پی۔ پی کامیاب ہوئی ہے۔ کیا وہاں کا راستہ تخریب کاروں کو معلوم نہیں؟ بہت سے سوالات لوگوں کے ذہنوں میں جنم لیتے ہیں۔ یہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے۔ یہ سوال بھی لوگ پوچھتے ہیں کہ پاکستان میں صرف کراچی ہی رہ گیا ہے جہاں "را" کے ایجنٹوں کا "بسیرا" ہے۔ حال کے واقعات پر جن میں چوبیس گھنٹے کے اندر تیس جانیں ضائع ہوتی ہیں' تین بڑوں کا اجتماع ہوا ہے' ان میں اس بات پر اتفاق پایا گیا ہے کہ یہ دہشت گردی ہے۔ سبحان اللہ!! ع اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا----

کراچی کے لوگ جب یہ خبر پڑھتے ہیں کہ ہمارا صدر جو ہر ایک شہری کو امن دینے کا ضامن ہے' ان حالات میں وہ فلاں علاقے میں تیتر کا شکار کھیل رہا ہے اور اخبار بھی یہ اطلاع دیتے ہیں کہ وزیر اعلیٰ اور ان کی ٹیم ان کی "ہم نوا" ہے اور اخراجات پر لاکھوں روپے خرچ ہو رہے ہیں تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ یقیناً اگر غیر ملکی حکمران ہم پر حاکم ہوتے تو وہ بھی ان حالات میں تفریح کی نہ سوچتے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ صدر صاحب کیمپ لگا کر کراچی میں بیٹھ جاتے اور "را" کے ایجنٹوں کا شکار کرتے۔ مگر انہیں انسانی جانوں کے اتلاف سے کوئی سروکار نہیں۔ بادشاہوں کے ٹھاٹ باٹ تو کتابوں میں پڑھتے آتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے یہ جمہوری سلطان عوام کی خاطر عوام کے ووٹ سے منتخب ہو کر "اکبر اعظم" بن جاتے ہیں۔ دو سال سے آہنی گرفت کی بات سنی جا رہی ہے' ان الفاظ میں اب کوئی جان نہیں رہی ہے' محض دکھاوے کے الفاظ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دہشت گردوں کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا ہے مگر اہل کراچی دیکھتے ہیں کہ ان کا جینا مشکل کر دیا گیا ہے۔ انتظامیہ کا سارا غصہ عوام پر نکلتا ہے۔ پولیس بھی گن گن کر بدلہ لیتی ہے۔ یہ بستی ایک دردناک عذاب میں گرفتار ہے۔ اہل اقتدار

کے دربار میں کوئی "رجل مومن" نہیں جو ان کے غلط اقدامات پر گرفت کر سکے۔ ایسی صورت میں تو رود نیل کو اپنا فرض ادا کرنا پڑتا ہے جس کے لئے بہت لوگ دست بدعا ہیں۔ شیعہ سنی مل کر رہنا چاہتے ہیں مگر ان کا یہ اتحاد گوارا نہیں ہے۔ دونوں فرقوں کے ذمہ دار حضرات اس قتل سے برات کا اظہار کر رہے ہیں اور واضح الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ یہ آپس میں لڑانے کی سازش ہے۔ اس کے برعکس حکومت فرقہ وارانہ فساد کا رنگ دینا چاہتی ہے اور بیک وقت دونوں باتیں کہتی ہے۔ وزیر داخلہ سے زیادہ ذمہ دار اور کون ہو سکتا ہے۔ آن کا فرمانا ہے کہ یہ "را" کے ایجنٹ ہیں اور پھر خود ہی شیعہ سنی کا رنگ دے کر اس آگ کو ہوا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

نیو ورلڈ آرڈر کے تناظر میں اگر دیکھیں تو اب محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو اس کام پر متعین کئے گئے ہیں کہ امریکہ کی خواہشات کو پورا کیا جائے' وہ فرقہ وارانہ فساد کرا کر اس کی آڑ میں دینی تنظیموں پر "نمدا" کسنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ اس طرح کھلے اور ننگے سیکولرازم کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو اس ملک میں دین کی سربلندی کا عزم رکھتے ہیں' ان کے حوصلے پست ہو جائیں۔ ذرائع ابلاغ نے تو فحاشی اور بے حیائی پھیلانے کا پہلے ہی ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ گویا نوجوان نسل کو اوباش بنانے میں پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔

علمائے کرام فروعی مسائل کو لئے بیٹھے ہیں' انہی مسائل پر ان کی تقسیم در تقسیم ہو چکی ہے' ان کی قوت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ اس نااتفاقی سے سیکولر قوتیں بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اگر یہ لوگ اب بھی اپنے مسلکوں کی گنبد میں بند رہے تو تو وہ دن دور نہیں' جب ان کے ساتھ وہ سب کچھ ہو گا جو ماضی میں روس میں ہو چکا ہے۔ لہٰذا انہیں جلد از جلد ایک مشترک مقصد کے حصول کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانا چاہئے۔ اس میں خود ان کا اپنا تحفظ بھی ہو گا اور دین کا وہ اجتماعی تقاضا بھی پورا ہو گا جو نزول قرآن کا مقصد ہے اور جس کی جدوجہد میں حضورؐ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا نیز صحابہ کرام اس مشن کو لے کر دنیا میں پھیل گئے۔ ہمیں امریکہ کے مقابلے میں اسلام کا نیو ورلڈ آرڈر پیش کرنا ہو گا۔ یہ دور عقل و خرد کا دور ہے' لوگ نظریات کو دلائل پر پرکھتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس اس کا ایک عملی نمونہ موجود ہو تو اس میں اتنی کشش ہو گی کہ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر بھی اس کے سائے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس امر کی کوشش کی جائے کہ پاکستان میں اس کا ایک "ماڈل" قائم کیا جائے۔ جب تک ایسا نہیں ہو گا اس کی حیثیت ایک فلسفہ سے زیادہ نہیں ہو گی۔

جس ماڈل کی بات ہم کر رہے ہیں' اس کو نہ پیپلز پارٹی قائم کر سکتی ہے نہ مسلم لیگ' تمام سیکولر قوتیں اس کی مخالفت کریں گی' دینی جماعتوں اور علمائے کرام کو سنجیدگی سے اس پر غور کرنا چاہئے۔ دینی حمیت کا تقاضا ہے کہ فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک عظیم مقصد کے لئے جمع ہو جائے۔ ○○

# فاعتبروا یا اولی الابصار!

## ایک کہانی جو فراموش نہیں کی جا سکتی

# پاکستان سے پاکستان تک

محمد سمیع

**"تم یہ بھول رہے ہو کہ میں ہندوستانی فوجی ہوں یہ پاکستان نہیں ہے جہاں رشوتیں عام ہیں"**

تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر۱۔ کراچی میں منعقد ہونے والے دو روزہ پروگرام کے دوران اس تنظیم کے رفیق بھائی احمد عبدالوہاب نے ایک ملاقات میں مجھ سے سوال کیا کہ آپ کے مضامین میں مشرقی پاکستان کا تذکرہ اکثر آتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آج میں اس سوال کا جواب اپنے قارئین کرام کو دینا چاہتا ہوں۔ میری عمر اس وقت غالباً کم و بیش چار سال کی ہو گی کہ جب میں اپنے والدین کے ساتھ ہندوستان کے صوبہ بہار سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان پہنچا۔ شعور کی آنکھ وہیں کھولی اور تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ جب سقوط ڈھاکہ کے بعد میں کراچی پہنچا ہوں تو میری عمر کوئی ۲۹ سال کی تھی۔ ایک تو وجہ یہ ہے۔ دوسری وجہ وہ قلق ہے جو ملک کے ٹوٹنے اور مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ فوجی ایکشن سے لے کر سقوط ڈھاکہ کے وقت تک جن عبرتناک واقعات سے سابقہ پڑا' چاہتا ہوں کہ گاہے گاہے انہیں آپ کو بھی سناؤں تاکہ آپ "فاعتبروا یا اولی الابصار" کا مصداق بن سکیں۔

ستمبر۷۲ء کے آخری ہفتے میں پروگرام بنا کہ کسی طرح اپنے پیارے وطن پاکستان پہنچا جائے۔ ہمارے بڑے تایازاد بھائی کی سسرال ہندوستان کے کسی شہر میں تھی لہٰذا وہ بھی تیار ہو گئے لیکن عین وقت پر کسی وجہ سے وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ طے یہ ہوا کہ میں دو چار اور نوجوانوں کے ساتھ بنگلہ دیش کی سرحد عبور کر کے ہندوستان جاؤں۔ پھر وہاں سے نیپال پہنچ کر اپنی کمپنی سے رابطہ کروں' جس کا ہیڈ آفس کراچی میں تھا۔ اگر کسی طرح پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو اپنے دوسرے اہل خانہ کے لئے بھی کوشش کروں گا۔ ایک دلال سے رابطہ ہوا جو ایک بنگالی نوجوان تھا۔ اس کا بھی یہ پہلا موقع تھا کہ لوگوں کو ہندوستان پہنچائے۔ ہم چار نوجوان میرپور سے غروب آفتاب کے بعد نکلے۔ "بعد نماز مغرب" کی اصطلاح اس لئے استعمال نہیں کی کہ وہ میرے "ایام جاہلیت" تھے۔ ارادہ تھا کہ رات کی گاڑی پکڑ کر راج شاہی روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ اسٹیشن پہنچنے سے قبل گاڑی روانہ ہو چکی تھی۔ اب رات کے اوقات میں شہر میں قیام کرنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم کسی ہوٹل میں ٹھہر سکیں۔ خوش قسمتی سے میرا ایک دوست کام آگیا۔ ہم

نے رات اس کے گھر پر گزاری اور صبح ٹیکسی پکڑ کر بذریعہ سڑک عازم راج شاہی ہوئے۔

اڑیچہ گھاٹ پہنچ کر ہم نے اسٹیمر پکڑا۔ ابھی اسٹیمر تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور دریافت کیا "کتھائے جاچھو"۔ (تم کہاں جا رہے ہو) میں نے بنگلہ ہی میں جواب دیا۔ "آمی راج شاہی جاچھی"۔ میں راج شاہی جا رہا ہوں۔ کہنے لگا "کینو" (کیوں)۔ میں نے جواب دیا "آتیو سنگھے دیکھا کورتے" اپنے عزیز سے ملاقات کے لئے۔ اب وہ شخص اس بنگالی کے پاس گیا جو بطور دلال ہمارے ساتھ تھا۔ ان میں باتیں ہونے لگیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ تاڑ گئے ہیں کہ ہم غیر بنگالی ہیں اور دلال انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ اسٹیمر کے تمام لوگوں کی نظریں ہماری طرف تھیں اور ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اب یہ ہمیں اٹھا کر دریا میں پھینک دیں گے۔ ایسے موقع پر میرا یہ معمول ہے کہ میں درود شریف کا ورد شروع کر دیتا ہوں، جس سے قلب کو طمانیت محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال دوسرا کنارہ آ گیا اور ہم سب بخیریت اسٹیمر سے اتر گئے۔ اب وہ دلال میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ آپ نے خواہ مخواہ یہ بتا دیا کہ میں راج شاہی جا رہا ہوں۔ کسی اور شہر کا نام بتا دیتے۔ اچھی خاصی رقم دے کر ان لوگوں سے گلو خلاصی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ آپ نے یہ کب بتایا تھا کہ ہم یہ ظاہر نہ کریں کہ ہم راج شاہی جا رہے ہیں۔ بہرحال آئندہ احتیاط کروں گا۔ وہاں سے ہم بس پر سوار ہوئے اور پبنہ، کشٹیا وغیرہ سے گزرتے ہوئے راج شاہی پہنچے اور ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھہر گئے، جو غالباً پہلے سے طے شدہ تھا۔ سارا دن گزارنا تھا۔ بڑا ہی مشکل کام تھا۔ طے یہ ہوا کہ دوپہر کا کھانا کھا کر "میٹنی شو" میں کوئی فلم دیکھ کر وقت گزارا جائے۔ ایک انگریزی فلم جس کا نام مجھے آج تک یاد ہے "A Summer Palace" دیکھی گئی۔ رات ہوٹل میں گزاری۔

دوسرے دن ایک مقامی بنگالی آیا جس کے ہمراہ ہم چاپائی نواب گنج پہنچے، جو ایک سرحدی قصبہ ہے۔ یہ ایک گاؤں سا علاقہ تھا۔ ایک جھونپڑی میں ہم چاروں کو ٹھہرا دیا گیا اور دلال اور مقامی بنگالی یہ کہہ کر چل دیئے کہ آپ لوگ یہیں رہیں ہم دوپہر تک سارا انتظام کر کے آتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں ہم ایسی جگہ تھے کہ اگر کسی کو یہ گمان ہو جاتا کہ ہم بنگالی نہیں ہیں تو ہمیں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ جب خاصی دیر ہو گئی اور وہ دونوں واپس نہ آئے، بھوک بھی زور دار لگ رہی تھی اور سخت تشویش بھی تھی۔ جب بھوک برداشت سے باہر ہونے لگی تو گھر میں موجود ایک لڑکے سے ہم نے کہا کہ بھائی ہمیں زور دار بھوک لگ رہی ہے کچھ کرو، تو اس نے گھر میں جو کچھ میسر تھا (چاول اور سالن) لے آیا۔ ابھی ہم کھانا کھا ہی رہے تھے کہ دونوں واپس آ گئے۔ مقامی بنگالی کچھ روٹیاں لے آیا تھا۔ ہمیں چاول کھاتے ہوئے دیکھ کر اس نے تاخیر پر معذرت کی اور لڑکے سے کہا کہ فوراً گھی کا برتن لاؤ اور وہ گھی ہمارے کھانے پر ڈالنے لگا اور کہتا جاتا تھا کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ آپ یہ کھانا کھا سکیں گے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ ایک دیہاتی بنگالی ہے اور اب بھی اسے ہمارا اتنا خیال ہے۔ ستیاناس ہو جائے ان لیڈروں کا جنہوں نے اپنے مفاد کی خاطر بھائی کو بھائی کا جانی دشمن بنا دیا ہے۔

شام کو ایک اور شخص آ گیا ہے۔ پتہ چلا کہ یہ ہندوستان کے سائڈ کا دلال ہے، جس کے ساتھ ہمیں سرحد عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہونا ہے۔ رات کو ہم لوگ روانہ ہوئے۔ چاندنی رات تھی۔ جگہ جگہ لوگ "کون" اپنی زبان میں "کے" کی صدا لگاتے اور ہمارا میزبان اپنا نام بتاتا۔ اس طرح ہم دریا کے کنارے پہنچے۔ ایک کشتی ہماری منتظر تھی۔ اس میں ہم لوگ سوار ہوئے۔ کچھ ٹوکریاں کشتی میں لدی ہوئی تھیں جس میں اوپر تو انڈے نظر آ رہے تھے لیکن اس کے نیچے کچھ اور ہی چیز رکھی ہوئی تھی۔ غالباً یہ ہندوستانی سائڈ والا کوئی اسمگلر تھا۔ اب ہمارے ساتھ آنے والے دلال نے ہمیں الوداع کہنا چاہا لیکن میں نے اسے روک لیا کہ ہمارا تمہارا معاملہ یہ طے ہوا تھا کہ تم ہمیں کلکتہ تک پہنچاؤ گے۔ کہنے لگا یہ شخص آپ لوگوں کو پہنچا دے گا۔ میں بضد ہو گیا کہ نہیں تمہیں بھی ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔ اب اس نے ایک شرط رکھی کہ اگر راستے میں خدانخواستہ کوئی مصیبت آئی تو میں نکل جاؤں گا۔ آپ لوگ کچھ نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ اگر میں نکل گیا اور آپ لوگ پھنس گئے تو میں آپ لوگوں کو نکالنے کی کوشش کروں گا لیکن اگر میں بھی آپ کے ساتھ پھنس گیا تو پھر ہمیں کون نکالے گا۔ بہرحال کشتی روانہ ہوئی۔ دوسرے کنارے پر کشتی کے لگتے ہی ہندوستان کی Border Security فورس نے ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اب ہم نے یہ دیکھا کہ ہندوستان کے سائڈ والا دلال یا تو نکل گیا یا نکال دیا گیا اور ہمارے ساتھ آنے والا دلال پھنس گیا۔ فورس کا افسر کہنے لگا کہ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ کچھ بہاری یہاں داخل ہونے والے ہیں۔ اب انہیں لاکھ جتانے کی کوشش کی گئی کہ ہم بہاری نہیں ہیں لیکن اس نے مان کر نہیں دیا اور ہمیں لے کر سیدھے اپنے کیمپ پہنچا۔ صبح ہوتے ہی ہمیں اس افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے پہلے تو یہ کہا کہ اپنے سارے سامان، نقدی اور جو کچھ بھی ہے وہ یہاں جمع کرا دو اور اب سچ بتاؤ کہ کیا تم بہاری نہیں ہو؟ اب میں نے مصلحت اسی میں جانی کہ اقرار کر لیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ Illegal Entry کے جرم میں بند کر دیئے جائیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ اب تم لوگ تیار ہو جاؤ تاکہ تمہیں چیک پوسٹ کے حوالے کیا جا سکے۔ میں نے ان کے ایک سپاہی سے بات کی کہ بھائی کوئی ایسا راستہ بتاؤ کہ یہ ہمیں چھوڑ دے۔ کہنے لگا یہ بہت سخت آدمی ہے۔ آپ لوگوں کو چھوڑے گا نہیں البتہ چیک پوسٹ کا افسر ایک ملٹری کا کیپٹن ہے، اسے کسی طرح آپ قائل کر لیں کہ وہ آپ لوگوں کو واپس بنگلہ دیش بھیج دے تو آپ کی جان بچ سکتی ہے۔

اس موقع پر میں نے دلال سے کہا کہ اب مجھے ان سے نمٹنے دو۔ تم کچھ نہ بولنا۔ بہرحال ہم چیک پوسٹ پر پہنچے۔ صدا آئی لو بھائی اسامی آ گئے۔ میں نے جاتے ہی کیپٹن کو مخاطب کرتے کہا "گڈ مارننگ سر" اس نے اوپر سے نیچے تک مجھے حیرت سے دیکھا۔ اس وقت میرا حلیہ ہی کچھ ایسا تھا۔ میں قمیض اور لنگی میں ملبوس ایک دیہاتی لگ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "مارننگ مارننگ"۔ ہم سے یہ کہا گیا کہ اپنے کوائف رجسٹر میں درج کرائیں۔ جب یہ ساری کارروائی ہو چکی تو میں نے اس افسر سے دریافت کیا۔ اب ہمارا کیا بنے گا۔ میں نے باتیں انگریزی میں کرنی شروع کیں۔ وہ کہنے لگا کچھ نہیں۔ بس آپ لوگوں کو بنگلہ دیش کے بارڈر سیکورٹی فورس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا سر ایسا کرتے ہیں کہ ہم سب قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ ہمیں گولی مار دیں۔ اس سے ہم ایک مرتبہ ہی مر جائیں۔ بنگلہ دیش والوں کے ہتھے چڑھ گئے تو ہمیں اذیتیں دے دے کر ہلاک کریں گے۔ وہ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس پر میں نے کہا کہ ہمیں ہندوستان میں داخل ہونے دیں۔ کہنے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

## بقیہ : مصر میں دہشت گردی

طرح شیطنت کو وار کرنے سے روکا جا سکتا ہے۔ اور یہ بہترین اخلاقی عمل ہے"۔

مصر میں سیکولر طبقہ بڑا مضبوط ہے اور حکومتی عہدوں پر بھی فائز ہے۔ آپ کے سبھی شعبوں میں انہیں غلبہ حاصل ہے۔ فلم' ٹی وی اور ڈرامہ ایسے فنون میں اسی طبقے کی اکثریت ہے مگر مصر کے انتہا پسند مولویوں کے حملوں کا بھی یہی طبقہ نشانہ بنتا ہے۔ فواد نوارا اور نجیب محفوظ ایسے دانش ور اور عالمی شہرت یافتہ اور نوبل انعام پانے والے ادیب بھی ان لوگوں کی یلغار سے محفوظ و مامون نہیں رہ سکے۔ کئی ایک قتل کر دیئے گئے ہیں۔ سکندریہ کی آرٹ اکیڈمی جسے جمال عبدالناصر نے بڑی محنت اور محبت سے تعمیر کروایا تھا' ۱۹۹۱ء میں ایک بم دھماکے سے پیوند خاک کر دی گئی۔ یہ "معرکہ" انجام دے کر اسلام کا نام لینے والے انتہا پسندوں نے اپنی دانست میں شیطان کا قلع قمع کر دیا مگر وہ اس نادانی میں یہ فراموش کر بیٹھے کہ اکیڈمی کی تعمیر پر خرچ کیا جانے والا چار ملین ڈالر کا سرمایہ مصر ہی نے خرچ کیا تھا اور وہ مصری عوام کے ٹیکسوں سے اکٹھا کیا گیا تھا۔ اگر یہ خوبصورت عمارت تباہ نہ کر دی جاتی تو اسے کسی دوسرے اچھے مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ زینب الغزالی کے دل میں بھی سیکولرازم اور اس کے نام لیواؤں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ انہیں اسلام کے دائرے سے خارج سمجھتی ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ جن سیکولر فنکاروں کو قتل کیا گیا' اسے آپ کس نظر سے دیکھتی ہیں' زینب الغزالی نے کہا: "اسلام کی راہ سے اگر کوئی شخص مذہب سے منحرف ہو جاتا ہے' تو اسے قتل کر دینا چاہئے۔ لیکن اس سے پہلے اسے مقدمے کی بھٹی میں سے گزارا جائے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ اس پر الزام محض الزام ہے یا اس میں حقیقت بھی ہے۔ اگر وہ مجرم ثابت ہو جائے تو اسے قید کی سزا دینی چاہئے تاکہ وہ اپنے عمل اور افعال پر غور کرتے ہوئے پریشان اور نادم ہو کر رجوع کر سکے۔ اور اگر وہ مراجعت نہ کرے تو پھر اس کی گردن مار دینی چاہئے۔" پوچھا گیا کہ کیا سیکولرسٹ ہونا مرتد کے برابر ہے تو زینب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔OO روزنامہ نوائے وقت' ۲۹/ جنوری ۹۵ء

## بقیہ : عمران خان

صفائی کی تدبیر بھی کرو جو معاشرے کے جسم کو متعفن اور داغدار کر رہا ہے۔ اس نظام کے خلاف اعلان بغاوت کرو جس سے ظلم و ستم کے سوتے پھوٹتے ہیں' جس کی زیر سرپرستی عدم مساوات کی کوکھ سے زندگی کے ہر شعبے میں متکبرین و مستضعفین کے مستقل طبقات پیدا ہوتے ہیں اور جو ان سب خرابیوں کی جڑ ہے جن میں سے صرف ایک کی جزوی اصلاح کی کوشش میں تم ہلکان ہوئے جاتے ہو۔ تم نے ہوش میں آ کر اپنی توانائیاں جس نیک کام میں لگائی ہیں' اس پر آفرین لیکن یاد رہے کہ مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں۔OO

(بشکریہ روزنامہ "پاکستان" لاہور' اسلام آباد)

## بقیہ : دورۂ ترجمہ کے تاثرات

مضامین کی تکرار بھی گراں گزرتی رہی ہے۔ میرے نزدیک ہونا یہ چاہئے کہ جب ایک موضوع قرآن حکیم کے کسی ایک مقام پر گزر چکا ہو تو بعد میں اس کا صرف حوالہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اس نئے مقام پر صرف ان نکات کی وضاحت کی جانی چاہئے جو پہلے مقام پر نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے محترم فاروقی صاحب نئے آنے والوں کی رعایت کرتے ہوں (واللہ اعلم)

جہاں تک تعلق ہے محترم فاروقی صاحب کے اندازِ بیان' طرزِ استدلال' وسعتِ مطالعہ' محنتِ شاقہ اور ہمت کا تو اس کے بارے میں اتنا ہی کہوں گا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

## بقیہ : واقعاتِ عالم

کیا۔ یعنی شیخ منصور" اور امام شامل" ۔ جنہوں نے روسیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ شیخ منصور ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا کی قوت عطا کی تھی' ان کی جرات اور دلیری کے واقعات سے اس دور کے یورپی اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ "اناپا" کے ترکی کے قلعے کے اندر اکسٹھ روز تک محصور رہنے کے بعد گرفتار ہوئے اور تین سال بعد ۱۷۹۴ء میں سینٹ پٹس برگ میں وفات پا گئے۔ شیخ منصور" کی بہادری کی داستانیں چیچنیا کے بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ امام شامل" چیچنیائی نہیں تھے۔ ان کا تعلق داغستان کے "آور" (avor) قبیلہ سے تھا۔ انہوں نے چیچنیا کے مختلف قبائل کو روس کے خلاف متحد کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۸۵۹ء میں "زار" کی فوجوں کے ہاتھوں ان کی شکست کا سب سے اہم سبب یہ تھا کہ انہیں یہ ساری جنگ بغیر کسی بیرونی امداد کے تنہا لڑنی پڑی۔ سٹالن نے ۱۹۴۴ء میں بالآخر چیچنیا کے لوگوں کو وہاں سے مکمل طور پر دربدر کر کے اس علاقے کو روس کا حصہ بنا لیا۔ یہ لوگ ۱۹۵۷ء میں اجازت ملنے پر دوبارہ واپس آ کر اپنے علاقے میں آباد ہوئے ہیں۔OO

## بقیہ : حدیث امروز

کی عظیم غیر مسلم اکثریت تو برصغیر کے مسلمانوں کی مشترکہ کوشش سے پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں گر سکتی ہے بلکہ ہم تو یہ بات بھی پورے یقین سے کہتے ہیں کہ قرآنی فلسفہ و حکمت کو ہم نے چھپا کر نہ رکھا ہوتا اور برہمن سماج کی بھی اعلیٰ ترین سطح کو اس سے استفادے کا موقع فراہم کیا ہوتا تو برہمن شاید ہم سے بہتر مسلمان ہوتے۔ یہ کام اس زمانے میں ہونا چاہئے تھا جب مسلمان یہاں حکومت کر رہے تھے اور آج ہمارے کرنے کا کام بھی یہی ہے ---- مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ!-

"نیو ورلڈ آرڈر" کے بھوت کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی اس علاقے میں چین' بھارت' پاکستان اور ایران کو ایک مشترکہ حکمت عملی کے تحت واضح لائحہ عمل اختیار کرنا ہو گا ورنہ وہ ایک ایک کر کے سب کو نگل جائے گا۔ اس اشتراک عمل کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ پاکستان اور بھارت کی مستقل بلکہ روز افزوں محاذ آرائی ہے جس کو ختم کرنے کی ہر کوشش کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے اور اسی سبب سے ہم ڈاکٹر مبشر حسن کے مشن کو ایک اچھا آغاز بنتے دیکھنے کے آرزومند ہیں۔OO

## بقیہ : فاعتبروا یا اولی الابصار!

لگا یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ میں اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اپنے گھر چلا جاؤں۔ ہماری حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ کسی بھاری کو داخل نہیں ہونے دینا ہے۔ میں نے کہا تو پھر کچھ کریں۔ کہنے لگا ایسا کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کو ان کے کسی ذمہ دار افسر کے حوالے کریں اور اس سے یہ یقین دہانی حاصل کریں کہ وہ آپ لوگوں کو واپس آپ کے گھروں تک پہنچا دے۔ میں نے کہا آپ کی بڑی مہربانی لیکن آپ کی واپسی پر ہمارے ساتھ کیا بیتے گی' اس کی آپ کو خبر بھی نہ ہو گی۔ (جاری ہے)

## قرآن و سنت کے باغیوں سے جنگ مکمل اسلامی نظام کے نفاذ تک جاری رہے گی

# مصر میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون ؟

## یہاں سیکولر طبقہ سرکاری پشت پناہی کے باعث انتہائی مضبوط ہے

**"بنات المسلمین" کی سربراہ زینب الغزالی کے ایمان افروز خیالات جن کا ذکر تنویر قیصر شاہد نے مکتوب نیویارک میں کیا ہے**

پچھتر سالہ' محترمہ زینب الغزالی "الاخوان المسلمون" کے ایک بازو "بنات المسلمین" کی سربراہ ہیں۔ انہیں جمال عبدالناصر کے حکم سے گرفتار کر کے موت کی سزا سنائی گئی' جسے بعد ازاں پچیس سال کی سزا میں بدل دیا گیا۔ جس کا بیشتر حصہ انہوں نے قید تنہائی میں گزارا۔ جیل میں انہیں جس طرح ظلم و جور کا نشانہ بنایا گیا اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں قائرہ کے نواح میں رہائش پذیر ہیں۔ جہاں وہ ہر ہفتے باقاعدگی سے اسلامی تعلیمات پر مبنی لیکچر دیتی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ مصر کی ۵۰ فیصد عورتیں ان کی پیروکار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مجھے ناصر' سادات اور مبارک ایسے حکمرانوں کی غیر اسلامی حکومتوں سے نفرت ہے اور قرآن و سنت کے برعکس کردار رکھنے والی حکومتوں کے خلاف میری جنگ اس وقت تک جاری ہے' جب تک ملک میں اسلامی نظام مکمل طور پر نافذ نہیں ہو جاتا یا پھر خداوند قدوس سے مجھے بلاوا نہیں آ جاتا۔

جس وقت محترمہ زینب سے یہ گفتگو ہو رہی تھی ان کا پالتو افریقی طوطا بار بار اپنی چیختی چلاتی آواز میں "السلام علیکم" --- "اللہ اکبر" ---- "اسلام تمام مشکلوں کا حل ہے" کہہ کر اپنی "بنیاد پرستی" کا ثبوت دیتا رہا۔

سوال یہ تھا کہ مصر کے اندر حکمرانوں اور نوجوان ملاؤں کے درمیان خلیج کیوں حائل ہے؟ بعض علمائے دین' جنہیں مغرب بنیاد پرست کہہ کر اپنے استحقار کا نشانہ بناتا ہے' نے مصر کو انار کی اور بے سکونی کا گڑھ کیوں بنا دیا ہے؟ اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے ہم مذہب اور ہم مسلک انسانوں کو اپنا قیدی بنا لیا جائے؟ پھر یہ کہ مولویوں نے حکمرانوں کے خلاف ہتھیار کیوں اٹھا رکھے ہیں حالانکہ حضورؐ کی حدیث ہے کہ اگر تم پر کوئی ناک کٹا غلام بھی حکمران بن جائے تو اس کی پیروی تم پر لازم ہے۔ زینب الغزالی نے تحمل سے سوالات اور اپنی تسبیح کے دانوں کا گولہ بنا کر لکڑی کی ایک چھوٹی سی تپائی پر رکھتے ہوئے کہا: "میرے ملک میں نوجوانوں اور حکمرانوں کے درمیان دراصل جنگ ہے۔ یہ نوجوان اسلام کا احیاء چاہتے ہیں اور یہ مصری حکمرانوں سے ناراض اور حکومتوں سے ٹکرا رہے ہیں' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکومتیں اور حکمران مغرب کی لادین قوتوں کے پٹھو ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے ملک میں اسلام کی عملی تنفیذ کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مصر میں بعض ایسی بھی اسلامی تنظیمیں ہیں جو بدقسمتی سے دھمکیوں' قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کی مرتکب ہوئی ہیں۔ ان تنظیموں میں "الجہاد" کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اخوان المسلمین (جس سے زینب کا تعلق ہے) حکمرانوں سے اسی انداز میں' پیار کے ساتھ سلوک کرتی ہے جس طرح ماں اپنے اس بیٹے سے کرتی ہے جو نادانستگی میں غلطی کر بیٹھا ہو"۔

مگر ذمہ دار کون ہے؟ وہ کون ہے جس نے کامیابی کے ساتھ عوام (مسلح) اور حکمرانوں کے درمیان تعلقات کار کو بگاڑ دیا اور دونوں طبقات کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی؟ زینب الغزالی نے کہا: "مصر کے حکمرانوں کے خلاف جو یہاں بغاوت اٹھتی نظر آتی ہے' اس کے لئے اسلام کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جانا چاہئے۔ یہ حکمرانوں کے ظلم اور تعدی کا فطری نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ مغرب اور بعض اسلامی ممالک کے ایجنٹ بھی ہمارے اندر تفریق پیدا کر رہے ہیں۔ یہ غیر ملکی خفیہ ہاتھ زیادہ مہلک ثابت ہو رہا ہے۔ کیسی بدقسمتی ہے کہ مسلمان اپنے ملک میں بھی اسلام کو بطور قانون حیات استعمال نہیں کر سکتے! فرانس کے صدر متراں نے الجزائر میں اسلامی تنظیموں کے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کرنے پر کہا کہ ان بنیاد پرستوں کو الجزائر میں حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ متراں کا یہ بیان شرمناک بھی ہے اور پورے عالم مغرب کی مسلمان ممالک میں اسلامی تحریکوں کے خلاف اپنے خبث باطن کا اظہار بھی' چنانچہ ہماری خواہش بھی یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں ایسے حکمرانوں کو نہ رہنے دیں اور نہ انہیں چین سے بیٹھنے دیں جن پر فی الاصل مغرب حکمران ہے اور وہ صرف ان کی کٹھ پتلی ہیں۔"

"بنات المسلمین" کی مرشدہ زینب الغزالی کی آواز میں غصے کی لرزش تھی اور وہ مغرب اور امریکہ کی اسلام اور اسلامی دنیا سے عداوت سے پریشان تھیں مگر وہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی بے عملی' کاہلی' کسل مندی' تفرقہ پرستی اور بے جہتی کو تسلیم نہیں کرتیں۔ وہ مغرب ہی کو دوش دیتی ہیں "اور وہ مغرب ....." زینب نے حقارت سے کہا "اور وہ مغرب جہاں عورتوں کے بوائے فرینڈ تو ہوتے ہیں' شوہر نہیں۔ وہ مغرب جس کی عورت بچے تو جنم دیتی ہے مگر جس کے باپ کا نام اسے معلوم نہیں۔ وہ مغرب جس کی اباحیت اپنی تمام حدود اور اخلاقیات کے تمام تقاضوں کو پامال کر چکی ہے۔ ایسے مغرب کے پیروکار مصر کے حکمرانوں کو ہم کیسے برداشت کریں؟ ٹھیک ہے وہاں عورت کو ہر کام کرنے کے تمام حقوق میسر ہیں مگر اسلام بھی عورت کے کام کرنے پر پابندی عائد نہیں کرتا۔ مگر اسلامی قوانین اور شریعت کی پابندی کے ساتھ"۔ وہ کچھ دیر کے لئے عالم بے خیالی میں کمرے میں موجود برطانوی صحافیوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں۔ پھر گویا ہوئیں "مگر شریعت کی پابندی لازمی ہے بلکہ پہلے مرحلے پر لازم ہے۔ مثلاً ایک عورت اور مرد' جو ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں' اگر کمرے میں اکیلے ہیں تو وہ کمرہ بند نہیں کر سکتے۔ اس

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

## خواتین کو اپنے حقیقی دشمنوں کی پہچان نہیں

# مغرب زدہ خواتین کا لاہور ہائی کورٹ کے سامنے انوکھا احتجاج

میم سین

یادش بخیر کہ ایک بار پھر لاہور میں مغرب زدہ خواتین کا وہی نعرۂ مستانہ یعنی "ڈاکٹر اسرار احمد خواتین کے حقوق کے مجرم" بلند ہوا جو اب سے کئی سال قبل ان کے ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کے حوالے سے گونجا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ "لاہور میں احتجاجی مظاہروں کی تاریخ میں پہلی بار اتوار کو ہائی کورٹ کے مین گیٹ پر خواتین نے اپنے حقوق کے لئے "گیٹ" گا کر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ خواتین نے متعدد بینر اور کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر "خواتین کے حقوق کے مجرم ضیاء الحق' ڈاکٹر اسرار احمد اور عمران خان"۔ "مذہب کے نام پر قتل بند کرو"۔ "خواتین کی نشستیں بحال کرو" اور "سلامت اور رحمت مسیح کو رہا کرو" جیسے نعرے درج تھے۔ خواتین نے ہائی کورٹ کے گیٹ پر تالیاں بجاتے ہوئے یہ گیت گایا۔

آؤ دیکھو لوگو بہنیں آئی ہیں
آئیں گی ظلم مٹائیں گی اور یہ نیا زمانہ لائیں گی

اس مظاہرے میں ۲۹ تنظیموں کی سینکڑوں خواتین کے علاوہ بچے اور مرد بھی شامل تھے۔ مظاہرہ مسجد شہداء سے شروع ہوا اور مظاہرین لاہور ہائی کورٹ پہنچے' جہاں ہائی کورٹ کا مین گیٹ بند کر دیا گیا' جس پر خواتین نے "انصاف کے دروازے کھولو" کے نعرے لگائے۔ اس موقع پر ایک قرارداد میں قانون شہادت پر تنقید کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ قانون مرد کے مقابلے میں عورت کی حیثیت کو کم کر کے آدھا کرتا ہے جبکہ دینی مدرسے مذہب کے نام پر بچوں کے خون میں تشدد گھول رہے ہیں۔ خواتین نے مطالبہ کیا کہ حدود آرڈیننس' قصاص و دیت آرڈیننس' توہین رسالت کا قانون اور قانون شہادت منسوخ کئے جائیں۔ فرقہ واریت اور نعرے پھیلانے والے تمام مدرسوں اور اداروں کو کالعدم قرار دیا جائے۔ مظاہرے کے دوران خواتین نے نعرے لگائے کہ اگر ہماری شہادت آدھی ہے تو ہمارا جرم بھی آدھا ہو گا۔ خواتین کی قیادت کرنے والی خواتین میں بیگم مہ ناز رفیع' حنا جیلانی' شاہ تاج قزلباش اور یاسمین قیصر شامل تھیں"۔

ہمیں ان خواتین پر بڑا ترس آتا ہے۔ کل تک ان کا حال یہ تھا کہ وہ عمران خان پر واری نیاری تھیں لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ وہ جسے اپنی طرح مغرب زدہ سمجھتی تھیں' مغرب کے ماحول میں ایک عمر بسر کرنے کے باوجود "رجعت پسند" ہی نکلا تو ان کی توپوں کا رخ اب عمران خان کی جانب بھی مڑ گیا ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے بھی اپنے "قول و فعل" سے انتہائی کوشش کی کہ اپنے آپ کو "کٹر مولوی" ثابت نہ ہونے دے حتیٰ کہ اس نے اپنے تمام تر "اسلامی کارناموں" کے باوجود عائلی قوانین پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود یہ خواتین اسے آج تک معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے کہ ایک طرف تو اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود ان خواتین کو خوش نہ رکھ سکا تو دوسری جانب اپنے اس اقدام کی بناء پر دینی عناصر کی ناراضگی مول لے لی۔ گویا کہ "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم" کی مجسم تصویر بن گیا۔ آج اگر وہ زندہ ہوتا تو یہ ضرور کہتا کہ 'لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے۔ یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں ہماری یہ خواتین ناراض تو ضرور ہوں گی لیکن میں الصادق و مصدوق کے اس ارشاد گرامی کی طرف ان کو توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس میں انہوں نے عورتوں کو ناشکری قرار دیا ہے۔

ان خواتین نے احتجاج کے لئے غلط مقام کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ جن قوانین کا انہوں نے حوالہ دیا ہے وہ قرآن و سنت کی بنیاد پر وضع کئے گئے ہیں لہٰذا اگر انہیں اپنا احتجاج نوٹ کروانا ہی ہے تو انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نوٹ کروانا چاہئے۔ البتہ اگر وہ یہ سمجھتی ہیں کہ یہ قوانین قرآن و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے تو انہیں چاہئے کہ وہ سپریم کورٹ کے شریعت بنچ سے رجوع کریں۔ وہاں اپنے دلائل پیش کریں اور ان قوانین میں ترمیم کروائیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتیں کیونکہ اصل میں وہ اپنا مقدمہ نہیں لڑ رہی ہیں بلکہ کسی اور کا کیس پیش کر رہی ہیں۔ ورنہ خواتین کے حقوق کے خلاف احتجاج میں سلامت اور رحمت مسیح کا ذکر خیر' پھر مدرسوں اور دیگر اداروں کو کالعدم قرار دینے کا مطالبہ چہ معنی دارد! بہرحال اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ع "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"۔

ہم ان خواتین سے دست بستہ عرض کریں گے کہ اسلام میں انہیں جن حقوق کی ضمانت دی گئی ہے' اس کا مطالعہ کریں۔ پھر دیکھیں کہ معاشرے نے ان کے کن حقوق کو غصب کر رکھا ہے اور کسی اور کا آلہ کار بننے کی بجائے اپنے مقدمہ کی خود پیروی کریں۔ بجائے اس کے کہ ان لوگوں پر غصہ اتاریں جو انہیں ان کے فرائض یاد دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواتین کے فرائض اللہ تعالیٰ کے وہ حقوق ہیں جو اس نے ان پر عائد کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پہلے اپنے حقوق ادا کرنے کا تقاضا کرتا ہے پھر لوگوں کے حقوق دیتا ہے۔ بمصداق قرآن "تم میرے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کرو میں تمہارے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کروں گا" (سورۂ بقرہ)

اور ہاں' ان خواتین کو چاہئے کہ وہ اللہ کی مدد کریں تو وہ بھی ان کی مدد کرے گا۔ بمصداق الفاظ قرآنی "اگر تم میری مدد کرو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا"۔ اور اللہ کی مدد کی ضرورت صرف انہیں ہی نہیں بلکہ آج ساری انسانیت کو ہے اور وہ ہے نظام عدل اجتماعی کا قیام' جس کی ضمانت صرف اسلام ہی دے سکتا ہے۔ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے جدوجہد میں انہیں بھرپور حصہ لینا پڑے گا اور اس کے لئے رجال دین سے تعاون کی ضرورت ہے نہ کہ محاذ آرائی کی ورنہ یہ جن کی آلہ کار بنی ہوئی ہیں' وہ تو انہیں اسی طرح ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں' جس ذلت و رسوائی کا سامنا آج مغرب کی خواتین کو ہے' جو "مساوات مرد و زن" کا انجام بھگت رہی ہیں۔OO